استبقوا الخیرات

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

اپریل ۱۹۶۶ء

* ایڈیٹر *
محمد شفیق قیصر

وقف جدید کی تعلیمی کلاس ۱۹۶۵ء کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خطبہ استقبالیہ پیش کر رہے ہیں۔

فی پرچہ ۶۲ پیسے
قیمت سالانہ چھ روپے
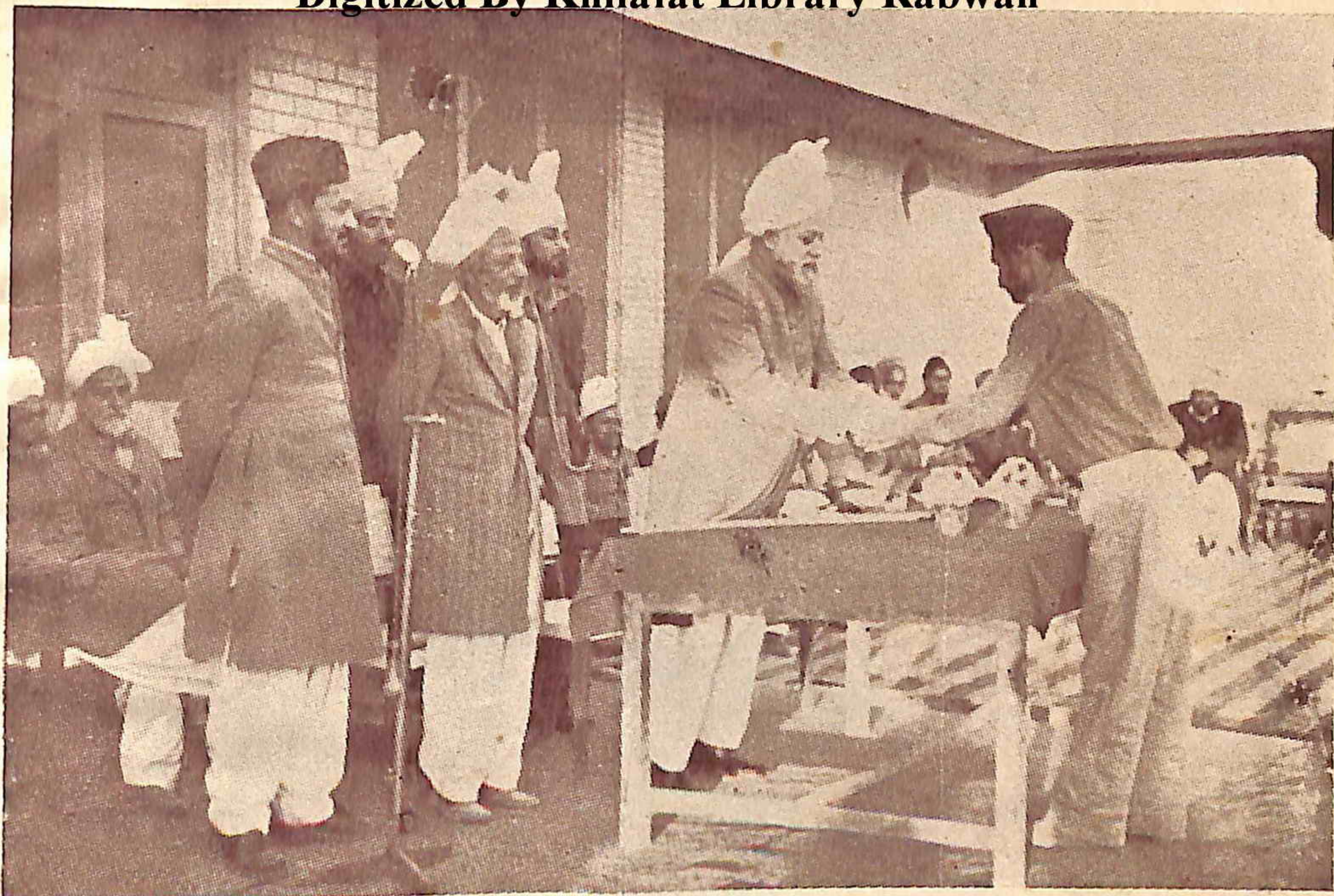
بشیر احمد صاحب معلم وقف جدید حضرت خلیفۃ المسیح الثالث سے انعام لے رہے ہیں -
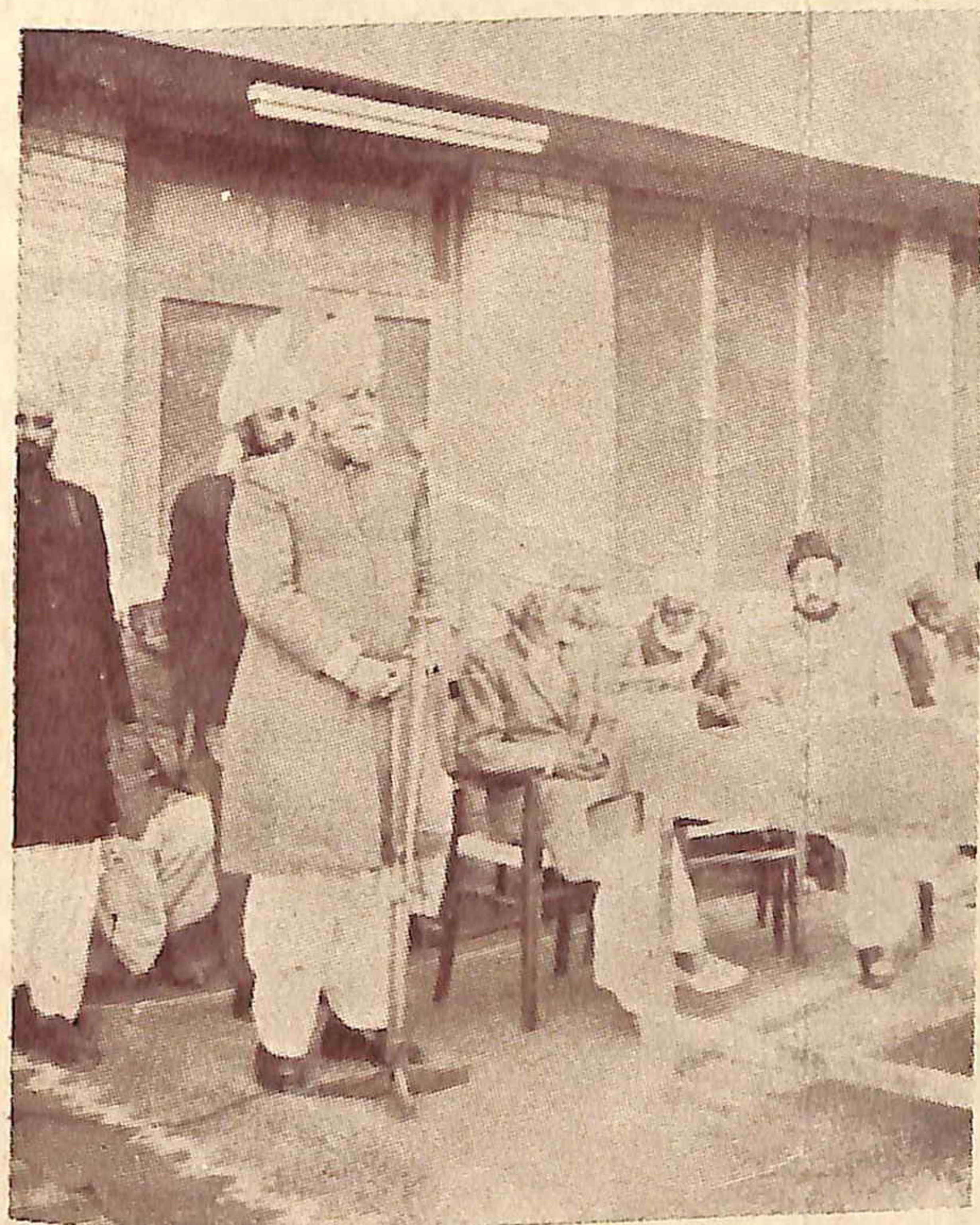
وقف جدید کی تعلیمی کلاس ۱۹۶۵ سے
حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح
الثالث خطاب فرمارہے ہیں -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فاستبقوا الخیرات

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعودؓ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

جلد ۱۳ — شمارہ ۶

ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ — شہادت ۱۳۴۵ھش

اپریل ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر

محمد شفیق قیصر

نائب ایڈیٹر

مرزا مغفور احمد

(سید عبد الباسط پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دار الصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

ترتیب

افتتاحیہ

ع ۔ خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو!

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدام الاحمدیہ کی تنظیم اس غرض سے قائم فرمائی تھی کہ "قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی اور قوموں کی ترقی اور تنزل کا انحصار انکے نوجوانوں پر ہوتا ہے"

خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے حضورؓ فرماتے ہیں:۔

"میری غرض اس مجلس کے قیام سے یہ ہے کہ جو تعلیم ہمارے دلوں میں دفن ہے اُسے ہوا نہ لگ جائے بلکہ وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ دلوں میں دفن ہوتی چلی جائے، آج وہ ہمارے دلوں میں دفن ہے تو کل وہ ہماری اولادوں کے دلوں میں دفن ہو اور پرسوں اُن کی اولاد کے دلوں میں، یہاں تک کہ یہ تعلیم ہم سے وابستہ ہو جائے، ہمارے دلوں کے ساتھ چمٹ جائے اور ایسی صورت اختیار کرلے جو ان کے لئے مفید اور بابرکت ہو۔ اگر ایک یا دو نسلوں تک ہی ہماری تعلیم محدود رہی تو کبھی ایسا پختہ رنگ نہ دیگی جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے"[۱]

پھر فرمایا کہ:۔

"خدام الاحمدیہ جیسی جماعت کا وجود ایک نہایت ہی ضروری اور اہم ہے اور نوجوانوں کی درستی اور اصلاح اور ان نیک کاموں میں تسلسل ایک ایسی بات ہے جسے کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"[۲]

"پس نوجوانوں کو درست کرنے اور ان کے اخلاق کو سدھارنے سے جماعت کو عظیم الشان فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور میں خدام الاحمدیہ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں اپنے نام کی عظمت کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے"[۳]

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات کے مطابق خدام الاحمدیہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف خود اسلامی تعلیمات سے کما حقہٗ واقف ہوں بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس تعلیم سے واقف کرائیں اسی عظیم الشان مقصد کے پیش نظر ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے احباب کو ارشاد فرمایا کہ:۔

"میں جماعت میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ وہ دوست جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے سال میں دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک عرصہ دین کی خدمت کیلئے وقف کریں اور انہیں جماعت کے مختلف کاموں کے لئے جس جس جگہ بھجوایا جائے وہاں وہ اپنے خرچ پر جائیں اور ان کے وقف شدہ عرصہ میں سے جس قدر عرصہ انہیں وہاں رکھا جائے اپنے خرچ پر رہیں اور جو کام انکے سپرد کیا جائے اسے بجالانے کی پوری کوشش کریں ۔ ۔ ۔ ۔ بڑے بڑے کام جوان دوستوں کو

---

[۱] الفضل ۱۷ رفروری ۱۹۳۹ء۔ [۲] الفضل ۱۱ رمارچ ۱۹۳۹ء۔ [۳] الفضل ۱۷ راپریل ۱۹۳۹ء۔

تبرکات محمودؓ

دین کو دُنیا پر مقدم کرو

(از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس پاک وجود پر ہمارے جان و دل قربان ہوں جس نے اپنی عمر خدمت دین میں خرچ کر دی اور جسے ہر ایک ساعت و گھڑی دین اسلام کی ترقی کا فکر دامنگیر رہتا تھا۔ وہ پاک وجود جس کی آرزو یہی تھی کہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف جھکیں اور مدتوں کے بچھڑے ہوئے بھی اسی معشوقِ حقیقی سے جا ملیں۔ اور پروانہ وار اس شمع رُو پر فدا ہو جائیں جو ہر تاریکی کا اُجالا اور ہر ظلمت کا نُور ہے۔ اس نے راتیں جاگ کر کاٹیں اور دن ٹہل کر گزارے۔ اور کوئی وقت نہ تھا جب اسلام کی ڈوبتی ہوئی ناؤ اور غرق ہوتے ہوئے جہاز کے بچانے کی تدابیر اس کے دماغ میں چکر نہ لگا دیں اور آخر اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا کے ارشاد کے ماتحت اس بحرِ حقیقت کے غوطہ خور نے وہ موتی نکال ہی لیا جو ہر تاریک دل کو روشن کر سکتا تھا یعنے اس نے کھول کھول کر ہر غافل از سرِ دلبراں کو سُنا دیا کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ تم دین کو دنیا پر مقدم کرو۔ اس نے اپنی تقریروں میں، اپنی تحریروں میں، اپنی گفتگو میں، اپنی باتوں میں اس نسخہ کا اظہار کرنا شروع کیا اور جو کوئی ملا اس کے آگے یہی بیان چھیڑ دیتا ہے کہ اس وقت اسلام کی ترقی کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرو۔

پھر یہی نہیں! اس نے اپنی بیعت کی شرط بھی یہی رکھی کہ جو شخص اس سے تعلق پیدا کرنا چاہے اوّل اقرار کرے کہ میں ہمیشہ ہر وقت اور ہر جگہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔

اس وقت دنیا کی جو حالت ہے اور جو ایک حد کی سے زائد عرصہ سے چلی آ رہی ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس وقت سب سے بڑی مرض یہی ہے کہ لوگ دُنیا کو عقبےٰ پر ترجیح دیتے ہیں۔ روپیہ کو خدا کی رضا پر مقدم کرتے ہیں اور مال کو معرفتِ الٰہی سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔ بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ دین کی تو فکر کسی کو ہے ہی نہیں۔ سب دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اسی کو اپنا قاضی حاجات یقین کرتے ہیں حتّٰی کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے ؎

اے زر تو خدا نئیے ولیکن بخدا
ستار عیوب و قاضی الحاجات

یورپ تو اپنی مادی ترقی میں ایسا مشغول ہوا ہے کہ اسے دین کی خبر ہی نہیں رہی۔ حتّٰی کہ احادیث میں اسے کانے دجال سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہر وقت دنیا کی ہی طرف

دیکھتا ہے۔ دین کی آنکھ اس کی پھوٹی ہوئی ہے کبھی اس کی طرف نگاہ ہی نہیں کرتا کہ مرنے کے بعد بھی کچھ ہوگا۔

آئے دن یورپ سے نئی سے نئی ایجادات کی اطلاعیں آتی رہتی ہیں لیکن یہ آواز کبھی نہیں آتی کہ وہاں فلاں شخص نے روحانیت میں اس حد تک ترقی کی ہے۔

یورپ کی تقلید میں وہ لوگ بھی جو اسے اپنا پیر طریقت یقین کرتے ہیں اور اس کی آواز پر لبیک کہنا نجات کا ذریعہ جانتے ہیں۔ دنیا ہی کے کاروبار میں منہمک ہیں اور ان کے خیالات وارادہ بھی دنیا کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتے۔

چونکہ دنیا کی نعمتیں تو فوراً مل جاتی ہیں اور آنکھوں کے سامنے پھرتی ہیں اور دینی نعمتوں کے لئے قلب سلیم اور ذوق صحیح کی ضرورت ہے اور وہ ابتلاؤں اور مصائب کا دارو ئے تلخ چکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اسلئے عام طور پر لوگوں کو اس طرف متوجہ ہونا دوبھر معلوم ہوتا ہے اور وہ فوری لذات کو چھوڑ کر آئندہ کے وعدوں پر بھروسہ کرنے سے کنیاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ لوگ دین کے مقابلہ میں دنیا کو قبول کر لیتے ہیں کیونکہ دین تو نفس کی اصلاح کے لئے آتا ہے اور اس میں ایسے احکامات ہوتے ہیں کہ جن کی اصل غرض تزکیہ ہوتی ہے اور نفس کو ان خواہشات سے روکا جاتا ہے جن کے پورا کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا اور روح مرجھا جاتی ہے ہزاروں اوامر ہوتے ہیں جن کو اس لئے چھڑوا دیا جاتا ہے کہ کہیں ان کے پیچھے پڑ کر انسان خدا سے غافل نہ ہو جائے۔

ادھر دنیا کا مال ومتاع چھوٹا آرام اور فریب دہ آرائش انسان کے دل کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اور جب انسان ان کے حصول کے پیچھے پڑتا ہے تو خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پاک اور ناپاک، گندہ اور مقدس، بد اور نیک ایک جا جمع نہیں ہو سکتے۔ نفیس طبیعتیں اور نازک مزاج بدبو اور تعفن کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتے پھر جو انسان دنیا کے پیچھے پڑ کے طرح طرح کے گندوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور رشتہ نقلی چیزوں سے جوڑ لیتا ہے وہ اس اعلیٰ سے اعلیٰ ہستی کے دربار میں کب باریاب ہو سکتا ہے جو تمام خوبیوں کا خالق ہے۔

غرضیکہ دنیا میں پڑ کر پھر خدا کی طرف بالکل توجہ نہیں ہو سکتی اور یہی ایک نقص تھا کہ جسے مسیح الزمان نے ہزارہا دعاؤں کے بعد معلوم کیا۔ اور جب مرض دریافت ہو گئی تو علاج سہل تھا۔ لوگ مسلمانوں کی اصلاح کیلئے بہتیری کوشش کر رہے تھے لیکن کوئی کامیابی نہ تھی کیونکہ وہ اصل مرض سے واقف ہی نہ تھے۔ ہمارے حضرت مسیح موعودؑ نے اصل مرض کو دریافت کیا اور اس طرح ہمارے لئے خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ صاف کر دیا۔

اب اے وہ دل جو اس مسیح سے محبت رکھتا ہے اور اس کے کام کی قدر کرتا ہے اور اے وہ انسان جو اس کی کوششوں کی وقعت کو سمجھتا اور اس کے درد کو محسوس کرتا ہے اپنے کپڑے اٹھائے اور کمر ہمت باندھے کہ مرض اور اس کا علاج معلوم ہو گیا ہے اور نسخہ دینے والا نسخہ دے گیا ہے خدا تعالیٰ نے اس نسخہ کے استعمال کرنے کے لئے تجھے ہر قسم کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ سوچنے والا دماغ اور نصیحت حاصل کرنیوالا

دل، کام کرنے والے ہاتھ اور پاؤں، پھر دیکھنے والی آنکھیں اور سُننے والے کان اور محسوس کرنے والا بدن غنیمت کیا ہے انہیں کام میں لا اور اپنے بھلے اور بُرے کو سمجھ۔

دنیا ایک دھوکہ ہے، ایک سراب ہے، ایک فریب ہے۔ اس کی آرائشوں اور سامانوں پر نہ جاؤ کہ وہ دراصل ایک پھوڑے کی طرح ہے جو بظاہر چمکیلا ہے لیکن اندر سے پیپ پُر ہے۔ وہ ایک حنظل کی طرح ہے جو بظاہر خوبصورت ہوتا ہے لیکن کھا کر کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ اس دنیا کے پنجے بلّی کے پنجے ہیں کہ جب اوّل اوّل رکھتی ہے تو مخمل سے ملائم معلوم ہوتے ہیں لیکن جب یہ اپنے پنجے نکالتی ہے تو تیر کی طرح تیز ہوتے ہیں۔ دنیا ایک شربت کا پیالہ ہے جو پینے میں شیریں معلوم ہوتا ہے لیکن جب پی چکو تو سنکھیا ایسا اثر کرتا ہے اور تشنج کی تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ پس اس کے فریب میں مت آؤ۔ عقبےٰ کی فکر کرو۔ دین کے حاصل کرنے کی کوشش کرو کہ تقویٰ کے بغیر انسان ایسا ہی ہے جیسا جسم بے جان یا مشک بے مے۔ کیا مُردہ جسم کسی کام کا ہے یا خالی مشک کوئی قیمت پاتی ہے؟ پھر کیوں اپنے آپ کو کم قیمت بناتے ہو؟

میری اس تحریر کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کا حاصل کرنا بالکل منع ہے اور یہ کہ اسے بالکل ترک کر دیا جائے۔ بلکہ میرے مضمون کا ہیڈنگ ہی یہی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرو۔ دنیا اسی وقت زہر بنتی ہے جب اس کے ساتھ دین کا تریاق نہ ہو۔ جب دین کا تریاق ساتھ ہو تو یہ زہر جسم کی قوت کا باعث ہو جاتا ہے۔ پس دنیا کو اختیار کرو مگر اس حد تک جہاں تک دین اجازت دیتا ہے۔ جس دنیا سے دین روکتا ہے اُسے چھوڑ دو اور اس سے الگ ہو جاؤ کہ اسی میں بہتری ہے۔

تمام دنیا دنیا کی طرف جُھکی ہوئی ہے اور لوگ اس کے عشق میں متوالے ہیں۔ تم دین کو اختیار کرو تا خدا کے حضور قبول ہو۔ اس دنیا کے سامان جس کی خاطر لوگ خدا کو چھوڑتے ہیں وہ چیز ہی کیا ہے۔ آخر ایک دن مرنا ہے اور مر کر خدا کے پاس جانا ہے۔ پھر اس چند روزہ زندگی کی خاطر خدا کو چھوڑنا کیسی حماقت ہے۔

میرے پیارو! دین کے لئے جو کچھ بھی ہو سکے قربان کرو۔ کیونکہ جو لوگ دین کی خدمت کرتے ہیں وہ دنیا سے بھی خالی نہیں رہتے اور خدا تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی ذلیل نہیں کرتا۔ اور آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جو لوگ دین کے حصول کے لئے کوشاں ہوں وہ دنیا میں ذلیل ہو گئے ہوں۔ جو دنیا کے طلبگار ہوتے ہیں وہ دین سے محروم رہ جاتے ہیں۔ وہ جو دین کے طلبگار ہوتے ہیں وہ دنیا سے محروم نہیں کئے جاتے۔ اور خدا تعالیٰ کی رضا نقد میں حاصل ہوتی ہے۔ پس دین کو دنیا پر مقدم کرو تا خدا تمہیں تمہارے غیروں پر مقدم کرے +

(الفضل ۷ر اکتوبر ۱۹۱۳ء)

وقفِ جدید

ایک کامیاب الٰہی تحریک

(محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ناظم وقف جدید)

پس منظر

وقف جدید کا ایک پس منظر تو وہ تربیتی کمزوری اور اخلاقی انحطاط ہے جس کی رفتار بالخصوص تقسیم ہندو پاک کے بعد کئی وجوہ سے خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی۔ حضرت اقدس المصلح الموعودؓ نے اپنی خداداد فراست سے اس خطرے کو بڑی شدت سے محسوس فرمایا جس کی اگر بروقت روک تھام نہ کی جاتی تو یہ ایک ایسی مہیب شکل اختیار کر سکتا تھا جو قابو سے باہر ہو جاتی اور بیشتر اس کے کہ ہم اسلام کو غیر ملکوں اور غیر مذاہب میں پھیلانے میں کامیاب ہوتے یہ خطرہ تھا کہ خدانخواستہ ہم خود از سرِ نو ہدایت کے محتاج ہو چکے ہوتے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ جنہیں ہم ہدایت کی طرف بلانے جاتے ہمارے پیغام کو ٹھکرا کر بڑی حقارت سے ہمیں یہ کہہ سکتے تھے کہ Phisician heal Thyself! - اے طبیب خود اپنا تو علاج کر!

دوسرا پس منظر اس فوری اور اشد ضرورت سے بہت قبل کا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک خواہش سے تعلق رکھتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے مندرجہ ذیل الفاظ سے احباب پر خوب روشن ہو جائیگا کہ حضرت اقدس علیہ السلام وقفِ جدید ہی کی قسم کا کوئی نظام برصغیر ہندو پاک میں جاری فرمانا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز کا ارادہ ہے کہ اشاعتِ دین اسلام کے لئے ایک احسن انتظام کیا جائے کہ ممالک ہند میں ہر جگہ ہماری طرف سے واعظ و مناظر مقرر ہوں اور بندگانِ خدا کو دعوتِ حق کریں تا حجتِ اسلام تمام روئے زمین پر پوری ہو۔ لیکن اس ضعف اور قلت کی حالت میں ابھی یہ ارادہ کامل طور پر انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔" (فتح اسلام)

اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وقفِ جدید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے جاری کی گئی۔ یہ کون نہیں جانتا کہ انبیاء کی خواہش ایک عام انسان کی خواہش کی طرح نہیں ہوتی بلکہ اُن کے دل کے میلانات اور آرزوئیں اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اور باریک در باریک حکمتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ پس ایک طرف اس خواہش کا ۸۰ برس قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے دل میں پیدا ہونا اور دوسری طرف ہماری آنکھوں کے سامنے وہ حالات پیدا ہو جانا جو بڑی شدت سے نظام وقفِ جدید کا تقاضہ کر رہے تھے اس تحریک کا پس منظر بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت المصلح الموعودؓ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام خواہشات آپ کے زمانہ میں یا پوری ہوئیں یا اُن کی بنیادیں رکھی گئیں۔ وقفِ جدید کی بنیاد بھی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق آپ ہی کے مبارک ہاتھوں رکھی جانی مقدر تھی۔ چنانچہ ۱۹۵۸ء میں عید الاضحیہ کے موقع پر آپ نے اس انجمن کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"پشاور سے کراچی تک رُشد و اصلاح کا جال پھیلایا جائے۔ بلکہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم نے رُشد و اصلاح کے لحاظ سے مشرقی اور مغربی پاکستان کا گھیرا کرنا ہے تو اس کے لئے ہمیں ایک کروڑ روپے سالانہ سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے۔"

حضرت المصلح الموعودؓ کے یہ الفاظ پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس آرزو پر جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے لبیک یا سیدی لبیک کہہ رہے ہوں۔ پھر فرماتے ہیں:۔

"اب مہا جال ڈالنے کی ضرورت ہے اور اس کے ذریعہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ کے لوگوں تک ہماری آواز پہنچ جائے بلکہ گاؤں کے ہر گھر تک ہماری پہنچ ہو۔"

بس یہی مہا جال ہے جو مصلح موعودؓ کے ہاتھوں ڈالا گیا اور اسی کا دوسرا نام وقفِ جدید انجمن احمدیہ ہے۔

اغراض و مقاصد

جیسا کہ قبل ازیں ذکر گزر چکا ہے وقفِ جدید کے قیام کا بنیادی مقصد دیہاتی جماعتوں کی تربیت و اصلاح ہے تاکہ ان کا رُخ انحطاط سے موڑ کر از سرِ نو ترقی کی جانب پھیر دیا جائے۔ گویا جس طرح احمدیت اسلام کے احیائے نو کی تحریک ہے اسی طرح نسبتاً محدود پیمانے پر وقفِ جدید **احمدیت** کے احیائے نو کی ایک تحریک ہے جس کے زیرِ انتظام دیہاتی علاقوں میں احمدیوں کے مذہبی، روحانی اور اخلاقی اقدار کو اسلامی معیار کے مطابق بلند تر کرتے چلے جانے کا عظیم الشان کام سرانجام دیا جانا ہے۔ یعنی مقصد یہ ہے کہ خصوصاً اُن علاقوں میں جو تعلیم کی کمی یا مرکز کی آنکھ سے اوجھل ہونے کے باعث مرورِ زمانہ کا شکار ہونے کا زیادہ خطرہ رکھتے ہیں اُن کی نگرانی اور تعلیم و تربیت کا ایسا عمدہ اور مستقل انتظام کیا جائے کہ اُن میں روحانی زندگی کو نہ صرف برقرار رکھنے کی اہلیت پیدا ہو جائے بلکہ اس زندگی میں نمو اور افزائش بھی ہو اور دیہات میں بسنے والی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانی اولاد ایسے ہرے بھرے شاداب باغوں کی طرح ہو جائے جن کا ذکر حضور علیہ السلام کی اس منظوم پیشگوئی میں ملتا ہے:۔

الٰہی تیرے فضلوں کو کروں یاد
بشارت تو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد
بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہو شمشاد
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الّذی اخزی الاعادی

وسعتِ کار اور بعض مشکلات

اس عظیم الشان مقصد کے حصول کیلئے وقفِ جدید انجمن احمدیہ اپنی تمام طاقتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دن رات کوشاں ہے لیکن یہ کام اتنا عظیم الشان اور وسیع ہے اور ذرائع اتنے تھوڑے اور کمزور ہیں کہ خدا تعالےٰ کے خاص فضل کے سوا اس کا سرانجام پانا ممکن نظر نہیں آتا۔

مشرقی اور مغربی پاکستان میں تقریباً ۱۱ سَو جماعتیں قائم ہو چکی ہیں جو تمام کی تمام خصوصی توجہ اور تربیت کی محتاج ہیں اور اس بات کی حقدار ہیں کہ وہاں ایک ایسا واقفِ زندگی معلم مقرر ہو جو ایک طرف تو افرادِ جماعت، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو کم سے کم ضروری دینی تعلیم سے آراستہ کرے اور دوسری طرف اپنی اعلیٰ روحانی زندگی اور عملی نمونے سے ایک ایسا روحانی انقلاب برپا کر دے کہ کثرت سے جماعتوں میں ولی صفت انسان پیدا ہونے لگیں۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں :۔

"جن لوگوں نے ہمارے ملک میں اسلام کو پھیلایا اُنہی کے نقشِ قدم پر چل کر تم بھی خدمتِ اسلام کرو۔ روحانیت کے لحاظ سے آج بھی ہمارے ملک کو چشتیوں، نقشبندیوں، سہروردیوں کی ضرورت ہے۔ جماعت کے نوجوان ہمّت کریں اور ان بزرگوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے پیش کریں"!

اس مقصد کے حصول کی راہ میں دو بڑی مشکلات حائل ہیں۔ اوّل معیاری واقفینِ زندگی کی کمی دوسرے مالی تنگی۔

واقفینِ زندگی کی کمی سے مراد یہ ہے کہ وقف کرنے والوں میں اس نہایت اہم کام کے قابل افراد بہت کم ملتے ہیں اور زیادہ تعداد ایسے وقف کرنے والوں کی ہے جن کی تعلیمی حالت اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ اس کم از کم معیار پر بھی پورے نہیں اترتے جو یک سالہ تربیتی کلاس میں شامل ہونے کے لئے ضروری ہے۔ نیز خلوص اور جوشِ خدمت کے لحاظ سے بھی ان میں سے اکثر اس معیار سے بہت نیچے ہوتے ہیں جو حضرت مصلح موعود کا مطمحِ نظر تھا۔

پس وقفِ جدید کو ضرورت ہے ایسے ہی پُر جوش مخلص تعلیم یافتہ واقفینِ زندگی کی جو دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہوئے دنیا کی دولتوں اور ملازمتوں کو ٹھکرا کر محض خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایسی درویشانہ زندگی قبول کرنے کے لئے تیار ہوں جو آسودگی سے خالی ہے اور دُنیاوی لحاظ سے کئی قسم کی مشکلات سے گھری ہوئی۔ ایسے واقفین جب دنیا کے بظاہر بہتر

مواقع کو ترک کر کے عمداً ایک غربت کی زندگی اپنے اُوپر وارد کریں گے تو بعید نہیں کہ انہیں میں سے وہ جیلانی اور قادری اور چشتی اور سہروردی پیدا ہوں جن کی مصلح موعودؓ کو تلاش تھی اور دنیا کو بیسیوں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ضرورت ہے۔

مالی تنگی کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ اگر فی الحال ملک کی بستی بستی میں نہ سہی صرف ایسے دیہات ہی میں معلم مقرر کئے جائیں جہاں احمدی جماعتیں موجود ہیں تو موجودہ تناسب کے لحاظ سے تقریباً سترہ لاکھ روپے سالانہ درکار ہیں جبکہ گزشتہ سال کی اصل آمد صرف ایک لاکھ چونتیس ہزار روپے تھی! ۔ اللہ تعالیٰ پر ہی نگاہ ہے کہ وہ اپنے خاص فضل سے فرشتوں کو اُتارے ۔ وہ احباب کے قلوب کو اس اہم تحریک کی طرف مائل کریں اور اُنکی قربانی کے جذبے کو فروغ دیں۔ تاہم ایک بار پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھیں کہ :-

ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء۔

کہ ایسے مردانہ صفت انسان تیری مدد کریں گے جن پر ہم آسمان سے وحی نازل کریں گے ۔ (کہ اُٹھو اور میرے بندے کی نصرت کے لئے آگے بڑھو!)

طریق کار

تعلیمی کلاس گو ابتداء میں شدید ضرورت کے پیشِ نظر واقفینِ زندگی کو کسی تعلیم و تربیت کے بغیر ہی جماعتوں میں بھجوا دیا گیا تھا اور ان کے پہلے سے حاصل کردہ دینی علم اور خلوص پر ہی انحصار کیا گیا تھا کہ وہ انشاء اللہ حسبِ استطاعت جماعت کی تربیت عمدگی سے کر سکیں گے لیکن چند سال کے تجربہ نے ثابت کر دیا کہ معلمین کی اپنی تربیت کا ٹھوس انتظام ہونا ضروری ہے ۔ چنانچہ اب باقاعدہ دفتر وقفِ جدید کی عمارت میں ہی ایک مکتبہ وقفِ جدید جاری کر دیا گیا ہے جس میں ایک سالہ نصاب مقرر کیا گیا ہے ۔ نصاب میں اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ بنیادی دینی علوم کے علاوہ جدید دنیاوی علوم سے بھی معلمین کو ضروری ابتدائی واقفیت ہو جائے۔ چنانچہ انہیں حساب، جغرافیہ، تاریخ، سوشیالوجی، اقتصادیات، سیاسیات، زراعت، کیمسٹری اور فزکس کے علوم سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت کروائی جاتی ہے ۔ اسی طرح خانہ داری، کپڑے دھونا، استری کرنا وغیرہ بھی سکھایا جاتا ہے اور مخدوش حالات کے پیشِ نظر شہری دفاع کی تربیت بھی نصاب میں شامل کر دی گئی ہے ۔ سال ۱۹۶۵ء میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ۱۸ معلمین نے کامیابی کی سند حاصل کی اور اب جماعتوں میں نہایت عمدگی سے خدمتِ دین بجا لا رہے ہیں۔

ایک معلم کیا کرتا ہے

ایک معلم کا سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ جس جماعت میں مقرر ہو وہاں جاتے ہی حالات کا جائزہ لے کر معین اعداد و شمار کے ساتھ ابتدائی رپورٹ دفتر

کو ارسال کرے کہ کتنے مرد، عورتوں، بچوں میں سے
کتنے نماز با ترجمہ جانتے ہیں۔ قرآن کریم ناظرہ یا باترجمہ
جانتے ہیں۔ نماز با جماعت کے عادی ہیں۔ تلاوت
کے عادی ہیں۔ مسائل وفاتِ مسیح، ختم نبوت، صداقت
مسیح موعود وغیرہ سے کما حقہ، واقفیت رکھتے ہیں
وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد وہ اِن تمام امور میں جماعت
کی حالت کو بہتر بنانے میں دن رات مصروف
ہو جاتا ہے اور اپنی ہر آئندہ رپورٹ میں اعداد و شمار
کے ساتھ ظاہر کرتا ہے کہ فلاں فلاں تربیتی پہلو کے
لحاظ سے جماعت کے اتنے اتنے مرد، عورتوں یا بچوں
نے اتنی اتنی ترقی کر لی ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ اس اہم تربیتی کام کے
علاوہ معلم کو اصلاح و ارشاد کے کام پر بھی خاصہ
وقت صرف کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس کی یہ بھی ذمہ داری
ہے کہ اپنے مرکز کے پانچ پانچ میل کے دائرہ میں احسن
طریق پر احمدیت کا پیغام پہنچائے اور بالخصوص
عیسائیوں اور اچھوت اقوام کو اسلام کی نعمت
سے سرفراز کرنے کی کوشش کرے۔

یہ کام صرف محنت طلب ہی نہیں بلکہ حکمت
اور موعظہ حسنہ کو چاہتا ہے اور بسا اوقات
اس راہ میں معلمین کے صبر آزمائے جاتے ہیں۔ چنانچہ
ایسا بھی ہوا کہ محض اس جرم کی بناء پر کہ ایک معلم نے
محض بنی نوع انسان کی ہمدردی میں لوگوں کو ہدایت
کی طرف بلایا۔ اس پر اِس حد تک جسمانی سختی کی گئی
کہ مارنے والے مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے لیکن اللہ تعالیٰ
نے محض اپنے فضل سے پھر زندگی عطا کی۔ اِن
سختیوں کے باوجود معلم اس اہم فریضہ سے بھی غافل
نہیں اور حسبِ توفیق ایزدی حقیقی اسلام کی منادی
کر رہے ہیں۔

متفرق فرائض

معلمین کے فرائض میں بعض متفرق امور مثلاً
جماعتی چندوں میں اضافہ کروانا، مجلس انصار اللہ،
خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ میں دلچسپی بڑھانا
بھی شامل ہیں۔

اسی طرح دیہات سدھار اور خواندگی کا
معیار بڑھانے کی کوشش کرنا بھی اُن کے دائرہ
عمل میں ہے۔ اور ان سب کے علاوہ اکثر معلمین
اپنے اپنے گاؤں کے حکیم، وید، کمپونڈر یا ہومیو پیتھک
ڈاکٹرز بھی ہیں اور اس پہلو سے بھی انہیں ایسے
علاقوں میں جہاں طبی سہولتیں مہیا نہیں خدمتِ خلق
کا بہت موقع ملتا ہے۔ آئندہ کے لئے ان میں سے
مستحق اور قابل معلمین کی رجسٹریشن کا انتظام بھی
کروایا جا رہا ہے۔

مدارس

تمام معلمین اپنے اپنے مراکز میں دینی تعلیم و
تربیت کی کلاس تو لگاتے ہی ہیں لیکن ان کلاسوں
کے علاوہ بعض جگہوں پر باقاعدہ مدارس کھولے
گئے ہیں جن میں نصاب کے مطابق بعض جگہ پرائمری
اور بعض جگہ مڈل تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اِس وقت
اِن مدارس کی تعداد چار ہے لیکن عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ

ایک ہندو علاقہ میں ایک اور مدرسہ کھولا جائے گا۔
ان مدارس کا معیار خدا کے فضل سے بہت اچھا ہے۔
چنانچہ ایک مدرسہ کے معائنہ کے بعد انسپکٹر صاحب
تعلیم اس قدر خوش ہوئے کہ ہمارے معلم کو ساتھ
دورے پر چلنے کے لئے کہا تاکہ دوسرے اساتذہ
کو کام کا طریق سکھا سکیں۔

بفضلہ تعالیٰ مقصد میں کامیابی

اس امر کا اندازہ کہ وقفِ جدید کس حد تک
اپنے مقصد میں کامیاب ہے اور دیہاتی جماعتوں پر
اس کے کیا خوشکن اثرات ظاہر ہو رہے ہیں چندوں میں
[illegible] سے لگایا جاسکتا ہے:۔

۱۔ چندوں میں غیر معمولی اضافہ

معلمین کے ذریعہ دو طرح
پر جماعتی چندوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اول ان کی
تربیت کے نتیجہ میں جماعت میں قربانی کی روح ترقی
کرتی ہے اور جماعتی چندوں پر بھی اس کا نہایت
خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ مثلاً ایک جماعت کے
پریذیڈنٹ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"جماعت کے چندہ میں معلم کے آنے
سے قبل بقایا در بقایا تھا۔ ان کے
آنے سے اب ۷۵% چندہ ادا ہو چکا
ہے جو کہ ابھی سال کے چار یا پانچ ماہ
باقی ہیں۔"

ایک اور پریذیڈنٹ معلم کی تقرری سے قبل اور بعد کا
موازنہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"چندہ عام دو صد روپے صرف
تھا اب ۶۶-۱۹۶۵ء کا بجٹ جس میں
حصہ آمد بھی شامل ہے دو ہزار
روپے ہے۔"

دوم:۔ چونکہ معلمین کو تاکید کی جاتی ہے
کہ نو مبایعین کو فوری طور پر جماعتی چندوں میں شامل
کریں ورنہ ان کے ذریعے ہونے والی بیعتیں حقیقی
بیعتیں شمار نہیں ہوں گی اس لئے جوں جوں نو مبایعین
کی تعداد بڑھتی جاتی ہے چندوں میں بھی خاطر خواہ
اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ایک سیکرٹری
مال نے جو اعداد و شمار بھجوائے ہیں ان سے ظاہر
ہوتا ہے کہ جماعت کا چندہ عام کا کل سالانہ بجٹ
۴۹۰۷.۰۰ روپے ہے جس میں ۱۲۱۵.۰۰ روپے
بجٹ ان نو مبایعین کا ہے جو وقفِ جدید کے ذریعہ
سلسلہ میں داخل ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ وہ لکھتے ہیں
کہ اس بجٹ میں ۷۲۵.۰۰ روپے کی وہ رقم بھی
شامل ہونی چاہیئے جو بعض نو مبایعین کی نقل مکانی
کی وجہ سے دوسری جماعتوں میں منتقل کی گئی۔ گویا
چار ہزار نو سو سات روپے میں سے ایک ہزار نو سو
چالیس روپے صرف نو مبایعین کا بجٹ ہے۔ فالحمد للہ
علیٰ ذالک۔

ب۔ نماز باجماعت کا قیام

اس اہم دینی فریضہ کی
سر انجام دہی میں بھی معلمین کو خدا تعالیٰ کے فضل و رحم

کے ساتھ حیرت انگیز کامیابی ہو رہی ہے۔ مختلف صدر صاحبان اور امراء کی طرف سے اس بارہ میں بیسیوں خوشنودی کے اظہار موصول ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک بڑی جماعت کے صدر صاحب لکھتے ہیں :-

"نماز باجماعت کے قیام میں معلم نے مختلف کوششوں کے طریق جاری رکھے۔ مثلاً صبح نماز کے وقت گاؤں میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنا ...... معلم صاحب کے آنے سے پہلے تقریباً ساری جماعت ہی بے جماعت سمجھ لیں کیونکہ خاکسار اگر گھر پر ہوتا تو نماز ہو جاتی۔ اگر خاکسار گھر پر نہ ہوتا تو نماز باجماعت نہ ہوتی۔ لیکن محترم معلم صاحب کے آنے سے یہ بیماری دور ہو گئی اور باقاعدہ نماز باجماعت جاری ہونے لگی اور پھر نماز باجماعت ہی نہیں بلکہ نماز تہجد باجماعت کا سلسلہ بھی جاری رہنے لگا اور اس دوران میں ایک ماہ سے اوپر مستقل نماز تہجد جاری ہے"

ایک جماعت کے صدر صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"پہلے سے دو گنے نمازی جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ جنگ کے دنوں میں صبح صلِّ علیٰ پڑھنے کا پروگرام کر کے مسجد میں بہت رونق پیدا کر دی جاتی رہی ہے اور ڈیڑھ ماہ تک عورتیں دو نمازیں مسجد میں باجماعت ہمارے ساتھ پردہ کے انتظام سے ادا کرتی رہی ہیں"

ایک اور جماعت کے پریذیڈنٹ صاحب مندرجہ ذیل الفاظ میں جماعت کی پہلی حالت اور بعد میں پیدا ہونے والی خوشگوار تبدیلی کا ذکر فرماتے ہیں :-

"جب معلم پہلے دن یہاں ہمارے گاؤں میں تشریف لائے تو اُن کو اکیلے ہی نماز ادا کرنی پڑی۔ احمدی احباب کے گھروں میں جانا اور نماز کی طرف توجہ دلانا اور نماز بے جماعت اور باجماعت کے متعلق تقریر کرنا اور ان کے مُردہ شعور کو زندہ کرنے کیلئے کئی کئی گھنٹے وقت صرف کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تمام مرد پانچ وقت نمازوں میں برابر شریک ہوتے اور نماز باجماعت ادا کرتے ہیں اور ہماری عورتیں بھی گھروں پر باقاعدہ نماز ادا کرتی ہیں۔ نماز تہجد کا شعور پیدا ہو چکا ہے"

دینی تعلیم

محض نماز باجماعت کے قیام تک ہی معلمین کی سرگرمیاں محدود نہیں بلکہ

نماز ناظرہ یاد کروانا، نماز کا ترجمہ سکھانا قرآن کریم کی سورتیں حفظ کروانا اور دیگر دینی مسائل کی تعلیم دیکر ان کے ایمان اور عمل کو زیورِ علم سے آراستہ کرنا بھی معلّم کے فرائض میں داخل ہے۔ معلّمین کی انہی نیک کوششوں سے متاثر ہو کر مختلف صدر صاحبان ہمیں اپنی خوشنودی سے مطلع فرماتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک جماعت کے صدر لکھتے ہیں:۔

"معلّم نے ساری جماعت کی نماز درست کروائی ہے اور خاص کر بچوں کی نماز کی درستگی کی ہے۔ جماعت کے تمام افراد کو نماز باترجمہ یاد کروائی ہے اور نماز سے متعلق تمام مسائل بھی یاد کروائے ہیں اور قرآنی دعائیں بھی یاد کرائی ہیں۔ ترجمہ قرآن کریم سکھایا جا رہا ہے اور دوسرے پارہ تک قرآن مجید کا ترجمہ مردوں اور عورتوں اور بچوں نے پڑھ لیا ہے۔"

ایک اور جماعت کے صدر صاحب اعداد و شمار میں معلّم کے کام کی رپورٹ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"معلّم کی کوشش سے ۱۴ مرد، ۱۲ عورتیں اور ۲۲ بچے نماز سیکھ چکے ہیں اور ۱۰ مرد، ۸ عورتیں اور ۹ بچے نماز کا ترجمہ سیکھ چکے ہیں۔"

صدر صاحبان کی طرف سے ایسی متعدد سندات ہر سال دفتر وقفِ جدید کو موصول ہوتی ہیں لیکن طوالت کے خوف سے سب کا ذکر ممکن نہیں۔ آخر یہ صرف ایک پسماندہ جماعت کے صدر صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ پیش خدمت کرنے کے بعد یہ ذکر بند کرتا ہوں:۔

"نماز کے متعلق گزارش ہے کہ ہم پہاڑ کے رہنے والے ہیں اور ہم میں سے کسی ایک کو بھی نماز صحیح یاد نہیں تھی اور بچوں کو بالکل آتی نہ تھی لیکن اب معلّم کی کوشش سے سالِ رواں میں نماز ناظرہ کے علاوہ مسجد میں آنے جانے کی دعائیں، نماز کی نیت، اذان کے بعد کی دعا، وضو کرنے کی دعا اور نماز کے مکمل ارکان سکھائے گئے۔"

جب اِن کوائف پر اور ایسی ہی بیسیوں دیگر جماعتوں کے روبا صلاح حالات پر نظر پڑتی ہے تو دل بے اختیار حضرت مصلح موعودؓ کو دعائیں دینے لگتا ہے۔ اللہ اللہ! آپ کو دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی ٹھوس اور باقی رہنے والی خدمت کی توفیق ملی اور آپ کی دن رات کی دعاؤں اور پُر حکمت بروقت اقدامات کو اللہ تعالیٰ نے کیسا نوازا کہ گرتی اور لڑکھڑاتی ہوئی جماعتیں اس کے فضل اور احسان کے طفیل یکدفعہ سنبھل کر نئی قوت اور توانائی کے ساتھ جادۂ ترقی پر گامزن ہونے لگیں!!!

مجالس کے احیاء کے سلسلہ میں کوششیں

سلسلے کی ذیلی تنظیمات کو تقویت دینے اور

جماعت میں انہیں راسخ کرنے کے سلسلہ میں بھی معلمین وقفِ جدید مقدور بھر کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے بھی خاطر خواہ نتائج ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس ضمن میں ایک صدر صاحب ہمیں ان الفاظ میں مطلع فرماتے ہیں:۔

"معلم کے آنے سے پہلے انصار اللہ، لجنہ اماء اللہ اور اطفال الاحمدیہ کی کوئی تنظیم نہ تھی اور خدام الاحمدیہ کی تنظیم برائے نام تھی۔ معلم کے آنے سے لجنہ کی تنظیم قائم ہوئی۔ جمعہ کے دن مسجد میں پردے کا انتظام کروایا گیا اور لجنہ کے اجلاس شروع کروائے گئے۔ اطفال الاحمدیہ اور خدام الاحمدیہ کے اجلاس شروع کروائے گئے۔"

ایک اور صدر صاحب اس حقیقت کا ان الفاظ میں اعتراف فرماتے ہیں:۔

"معلم صاحب نے تینوں تنظیموں کو بہت کوشش کر کے قائم کیا ہے۔ ماہانہ رپورٹیں بھجوائی جاتی ہیں اور باقاعدہ ہفتہ وار اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔ اطفال، انصار، خدام الاحمدیہ کو امتحانوں کی تیاری بھی معلم نے کروائی ہے۔ سات اطفال نے ستارۂ اطفال کا امتحان دیا اور تین نے ہلالِ اطفال کا امتحان پاس کیا ہے۔"

اسی قسم کی خوشکن رپورٹیں اکثر مراکز وقفِ جدید سے موصول ہوتی ہیں جن سے دل خدا تعالیٰ کے شکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یہ محض اس کا احسان ہے اور اُسی کی رحمت کی یہ تاثیر ہوا کا اثر ہے جس نے طبیعتوں میں دینی ترقی کی ایک رَو چلا دی ہے اور ایسے آثار ظاہر ہو رہے ہیں جو بڑے خوش آئند مستقبل کا پتہ دیتے ہیں۔!

غیروں پر اثر

معلمین سے صرف اپنے ہی متاثر نہیں بلکہ جیسا کہ ایک جماعت کے صدر تحریر فرماتے ہیں:۔

"غیر از جماعت احباب پر بھی معلم صاحب کا نیک اثر ہے اور دلی محبت سے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔۔۔۔ گفتگو میں غیروں کے ساتھ بڑی حکمت اور سمجھ سے بات کرتے ہیں اور حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں اور محبت اور پیار سے تبلیغ کرتے ہیں اور اسی وجہ سے علاقہ میں ان کا اثر ہے۔ بعض غیر احمدی یہ اظہار کرتے ہیں کہ ان کو خاص ایسی ٹریننگ دی جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ ایسے اخلاق ظاہر کرتے ہیں۔"

"خاص ایسی ٹریننگ" تو کیا دی جاتی ہے یہ محض حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے بزرگ خلفاء کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ٹھیکریوں سے بھی کام لے رہا ہے۔ یہ محض دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احیائے نو کے لئے ان کی پُر درد تڑپ کا اثر ہے جس نے سینکڑوں غلاموں کے قلوب کو بھی اسی جذبے سے گرما دیا

ہے اور وہ تنگی اور ترشی، دکھوں اور تکلیفوں میں دنیاوی سُود و زیاں سے بے نیاز ہو کر اپنا تن من دھن اس راہ میں فدا کر رہے ہیں۔ کم علمی اور کم مائگی ان کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں۔ کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محض پاک نیتوں اور پُر خلوص حسبِ توفیق جدوجہد کی قیمت ہے۔ اور وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کے ننھے ہاتھوں کو خدا تعالیٰ کا فضل چوٹی تک بھر دے گا اور ان کے سب خالی خانے کناروں تک اس کی رحمت سے لبریز ہو جائیں گے۔

پس وقفِ جدید کو اگر آج حقیقی اسلام یعنی احمدیت کی کچھ خدمت کی توفیق مل رہی ہے تو کسی انسانی کوشش یا تدبیر کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا ایک چھینٹا ہے اور اس تائیدِ آسمانی کی ایک جھلک ہے، جو مصلح موعودؓ اور آپ کی جاری کردہ تمام نیک تحریکات کو حاصل تھیں اور ہیں اور رہیں گی۔ یہ اسی آسمانی پانی کا کرشمہ ہے کہ آج ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن کھیتیوں کو جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آنسوؤں بلکہ خون سے سینچا تھا پھر سے ہرا بھرا ہوتے اور لہلہاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ ایک ایسا روحانی انقلاب برپا ہو رہا ہے جس کی ترجمانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر ہی کر سکتا ہے کہ ؎

بہار آئی ہے اس وقتِ خزاں میں
کھلے ہیں پھول میرے بوستاں میں

پس اے مخلصینِ جماعت کہ جن کی مالی اور روحانی قربانیاں اپنے رب کے حضور مقبول ہو رہی ہیں کچھ اور آگے قدم بڑھاؤ اور ان قربانیوں کی رفتار کو تیز تر کر دو۔ اگر اپنی جانیں پیش کرنے کی ہمت اور توفیق پاتے ہو تو خلوص کی طشتریوں میں سجا کر اپنی جانیں ربّ العزت کے حضور پیش کرو تا کہ ان واقفینِ زندگی کی صف میں شمار کئے جاؤ جن کے نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اور جن کے کاموں کو ابد الآباد تک مرنے نہیں دیا جائے گا۔ لیکن اگر ابھی اتنی ہمت اور توفیق نہیں پاتے تو مالی قربانی کے میدان میں قدم مارو اور خدا تعالیٰ کی راہ میں علانیہ بھی مال نچھاور کرو اور خُفیہ بھی۔ لاکھوں پر خوش نہ ہو کہ تمہاری توفیق اور استطاعت کے ساتھ ضروریاتِ دینیہ بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ آج دینِ اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے لاکھوں نہیں کروڑوں بلکہ اربوں روپے کی ضرورت ہے۔ آج ضرورت ہے لاکھوں ایسے فدائیانِ اسلام کی جن کا دنیا کمانے سے مقصد سوائے اس کے کچھ اور نہ ہو کہ وہ اپنے اموال کو دین اور بنی نوع انسان کی خدمت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ بڑھ کر خرچ کریں۔ آج ضرورت ہے کہ ہم میں سے وہ نور الدینؓ پیدا ہوں جو اپنی جانی اور مالی قربانی میں صدیقیت کے نمونے پیچھے چھوڑ گئے اور امام وقتؑ کے حضور یوں کمالِ فدائیت کے ساتھ اپنا سب کچھ پیش کر دیا:۔

"اگر اجازت ہو تو نوکری سے استعفا دے دوں اور دن رات خدمتِ عالی میں پڑا رہوں۔ یا اگر حکم ہو تو اس تعلق کو چھوڑ کر دنیا میں پھروں اور لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلاؤں اور

اسی راہ میں جان دوں۔ میں آپ پر
قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے میرا نہیں
آپ کا ہے۔ حضرت پیرو مرشد! میں
کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا
سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت
میں خرچ ہو جائے تو میں مراد کو
پہنچ گیا ..... مجھے آپ سے نسبتِ
فاروقی ہے اور سب کچھ اس راہ
میں فدا کرنے کے لئے تیار ہوں۔
دعا فرماویں میری موت صدیقیت
کی موت ہو۔"

اے صدیق تجھ پر سلام کہ تیری دعائیں قبول اور
تیری قربانیاں بارگاہِ عزت میں مقبول ہوئیں اور خود
امام وقت نے تجھے اِن قابلِ صد رشک الفاظ میں
یاد کیا کہ :-

"خدا تعالیٰ نے اپنے خاص احسان
سے یہ صدق سے بھری ہوئی روحیں
مجھے عطا کی ہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے
ایک روحانی بھائی کے ذکر کے لئے
دل میں جوش پاتا ہوں جن کا نام اِن
کے نورِ اخلاص کی طرح نور دین ہے۔
..... اور میں تجربہ سے نہ صرف حسنِ
ظن سے یہ علم صحیح واقعی رکھتا ہوں
کہ انہیں میری راہ میں مال کیا بلکہ جان
اور عزت تک دریغ نہیں۔" وہ محبت
اور اخلاص کے جذبہ کا ظہر سے چاہتے ہیں
کہ سب کچھ یہاں تک کہ اپنے عیال کی زندگی بسر
کرنے کی ضروری چیزیں بھی اسی راہ میں فدا
کر دیں۔ ان کی رُوح محبت، جوش اور مستی سے
ان کی طاقت سے زیادہ قدم بڑھانے کی تعلیم دے
رہی ہے اور ہر دم اور ہر آن خدمت میں لگے
ہوئے ہیں لیکن یہ نہایت درجہ کی بے رحمی
ہے کہ ایسے جان نثار پر وہ سارے
فوق الطاقت بوجھ ڈال دیئے جائیں
جن کو اُٹھانا ایک گروہ کا کام ہے۔"

اے مخلصینِ جماعت آپ ہی تو وہ گروہ ہیں
جنہیں مل جل کر دینِ اسلام کے سب بوجھ اُٹھانے
کی خدمت سونپی گئی۔ اور آپ ہی اربوں انسانوں
کا وہ روحانی خلاصہ ہیں جنہیں یہ عظیم الشان سعادت
نصیب ہوئی۔ پس اِس راہ میں نہ تھکیں نہ ماندہ ہوں
بلکہ اپنی خوش بختی اور سعادت سمجھتے ہوئے اپنی
اپنی توفیق اور استطاعت کے مطابق دینِ اسلام
کی خدمت سے حصّہ پائیں!۔

وقفِ جدید بھی اسی کارخانہ کی ایک شاخ ہے
اور آپ کی قربانیوں کا انتظار کر رہی ہے! ٭

نقشِ قدم

مٹ جائیں گے یہ نقشِ قدم مل نہ سکیں گے
کل ہم کو جو ڈھونڈو گے تو ہم مل نہ سکیں گے

لے جاؤ چھپا کر دلِ غم خوردہ میں کچھ غم
جنّت میں تو سنتے ہیں کہ غم مل نہ سکیں گے

دیتے ہوں جو ناکردہ گناہوں کی سزائیں
ایسے تو کہیں اہلِ کرم مل نہ سکیں گے

ہنستے ہوئے ہونٹوں پہ نہ پاؤ گے مسرّت
ڈھونڈو گے غموں کو تو یہ غم مل نہ سکیں گے

دل آپ کا گر خوگرِ طاعت ہی نہیں ہے
آنکھوں کو کہیں دیر و حرم مل نہ سکیں گے

منزل کے نہ ملتے ہی یہ موقوف ہیں ہم لوگ
منزل جو ملی ہم کو تو ہم مل نہ سکیں گے

جناب نسیم سیفی

حجرِ اسود کی اہمیت

اور

معترضین کے ایک اعتراض کا جواب

(ملک عبدالماجد شمس ہیلی کالج آف کامرس)

آج سے کوئی چار ہزار سال قبل کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا اور اس کی حدود کے تعین کے لئے ایک بادل بھیجا۔ ابراہیم علیہ السلام اُس بادل کی راہنمائی میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے ــــ بادل ایک خاص مقام پر جا کر رُک گیا..... پردہ غیب سے حکم ہوا کہ "اِس بادل کے سایہ کے مطابق خانہ خدا کی حد بندی کر لو"۔ نبیوں کے باپؑ نے تعمیلِ حکم کرتے ہوئے حدود کو متعین کر لیا۔

ارشادِ ربانی کے تحت جواں ہمت بوڑھے نبیؑ نے اپنے اطاعت شعار بیٹے اسمٰعیلؑ کو ساتھ لیکر کام شروع کر دیا۔ بیت الحرام والی جگہ اردگرد کی زمین سے قدرے اُوپر اُٹھی ہوئی (کعبہ اُٹھی ہوئی جگہ کو بھی کہتے ہیں) تھی۔ آپ نے اُسے کھودا حتیٰ کہ آدم علیہ السلام کی بنیاد کے نشانات مِل گئے۔ آپ نے اُس پر دیواروں کو قائم کیا۔ جب دیواریں قدِ آدم کے برابر ہو گئیں تو ایک روایت کے مطابق مقدس باپ نے مقدس بیٹے کو حکم دیا کہ ایک پتھر لاؤ جسے مَیں بطور نشان کونے میں لگاؤں تا خلقِ خدا اِس مقام سے طواف شروع کر لیا کرے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جبرائیلؑ نے ابو قبیس پہاڑ میں ایک پتھر کا پتہ بتایا جسے آپ نے کعبہ کے ایک کونے میں چُن دیا.....

.....مشرقی دیوار کے کونے میں نصب شدہ یہی وہ پتھر ہے جسے حجرِ اسود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ طواف کے وقت حاجی اسی پتھر کو بوسہ دیتے ہیں۔

حجرِ اسود سے متعلق تاریخ اور تفسیر کی بعض کتب میں نہایت مضحکہ خیز روایات درج ہیں جن میں سے بعض تو جدت پسندوں کی کرم نوازیوں کی رہینِ منت ہیں اور بعض منافقین کی کرشمہ سازیوں کا نتیجہ ــ انہیں روایات کے شیش محل میں بیٹھ کر عیسائی معترضین نے اعتراضات کی سنگ باری کی ہے اور اپنی مشرکانہ

ذہنیت کی بدولت حجرِ اسود کو بوسہ دینا شرک کے
مترادف قرار دیا ہے۔

افسوس تو اس امر کا ہے کہ بال کی کھال نکالنے
والے یہ محقق جب اسلام کے بارہ میں تحقیق کرتے ہیں
تو تعصب کی دیوار راہ میں حائل ہو جاتی ہے اور اس
طرح اُن کی تمام تحقیق تعصب اور تنگ نظری کی
وادیوں میں گم ہو جاتی ہے۔ کچھ اسی قسم کا حال حجرِ
اسود کی تحقیق سے متعلق ہے۔ ان محققین نے
ناقابلِ یقین روایات کو تسلیم کر لیا اور قابلِ یقین
روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

کاش! معترضین تعصب کی پٹی کو آنکھوں سے
اُٹھاتے اور دیکھتے کہ اُسی کعبہ میں جہاں حجرِ اسود نصب
ہے لات، منات، عُزّٰہ و ہُبل کس طرح مٹی کے ڈھیر
بنتے ہیں ..... کاش وہ تعصب کی رُوئی کو کانوں سے
نکالتے اور لا الٰہ الّا اللّٰہ کی بُت شکن صدائیں سُنتے
جو کعبہ کے ہجوم سے بلند ہوتی ہیں۔ اگر وہ حجرِ اسود کو شرک
کا ذریعہ قرار دینے سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے
مندرجہ ذیل قول کو مدّنظر رکھتے تو انہیں یہ کہنے کی جرأت
نہ ہوتی۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ تعصب اور تنگ دلی نے
انہیں اس حد تک اندھا کر دیا ہے کہ وہ اسلام کے
محاسن کی بجائے اس کی کمزوریوں پر زیادہ نظر رکھتے
ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حجرِ اسود کی طرف مُنہ کرتے ہوئے
ایک مرتبہ فرمایا تھا:۔

اِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا
تَنْفَعُ۔

"تو ایک پتھر ہے جو نہ ضرر پہنچا سکتا
ہے اور نہ نفع"۔

حضرت عمرؓ کے اِس قول سے یہ بات بالکل عیاں ہے
کہ جب بھی کوئی مسلمان حجرِ اسود کو بوسہ دیتا ہے تو اس
کے دل و دماغ میں یہ بات رچی ہوتی ہوتی ہے کہ اِس
پتھر کو بحیثیت پتھر کوئی حیثیت حاصل نہیں اگر تقدس
ہے تو اُن روایات کو حاصل ہے جو اس سے وابستہ
ہیں۔ بوسہ دیتے وقت بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس
کے دماغ کے پردے پر وہ تمام واقعات متحرک تصویر
کی طرح گزر جاتے ہیں جو کعبہ کی تاریخ نے مختلف ادوار
میں جنم دیئے اور یہی واقعات طواف کرنے والے
کے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب ہوتے ہیں۔ اور وہ
بے اختیار ہو کر اپنے رب کی حمد پر مجبور ہو جاتا ہے۔
کہ کس طرح اس نے اطاعت و فرمانبرداری کا سبق
سکھایا ہے۔

مختلف اقوام کی تاریخ اِس بات پر شاہد ہے
کہ صبحِ تہذیب کا انسان تصویری زبان میں گفتگو کیا کرتا
تھا۔ زمانہ پَر لگا کر اُڑا اور انسان کو الفاظ ادا کرنے
والی زبان بھی ملی اور اب پند و نصائح الفاظ کے قلم
سے تصویر کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر اُبھرنے لگ
گئیں۔ یہ طریق ناخواندہ اقوام کے لئے بہت کارآمد
تھا۔ بائیبل میں اِس قسم کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں
کہ اشارات و کنایات کو محسوسات کی شکل میں سمجھایا گیا
چنانچہ یوشع باب ۴ میں جن بارہ پتھروں کا ذکر ہے جنہیں

یوشع نے یردن سے اُٹھایا۔ مسیحی حضرات اِن سے بارہ حواری مراد لیتے ہیں اور اسے نشان جانتے ہیں ــــــ حجرِ اسود بھی ایک نشان ہے، ایک اشارہ ہے اُس پیشگوئی کے متعلق جو کائنات کی علّتِ غائی، سید الانس والجانّ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بائبل میں یُوں وارد ہے:۔

(۱) "وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہو گیا۔ یہ خداوند سے ہوا جو ہماری نظروں میں عجیب ہے۔"

(زبور: ۱۸: ۲۳-۲۴)

(۲) "خداوند یہوواہ یُوں فرماتا ہے کہ دیکھو مَیں صیہون (سنگلاخ زمین) میں بنیاد کے لئے ایک پتھر رکھوں گا۔ ایک آزمایا ہُوا پتھر کونے کے سرے کا۔ ایک بیش قیمت ہو گا۔ ایک مضبوط نیو والا پتھر۔ اس پر جو ایمان لائے گا وہ تاولی نہ کرے گا (یا شرمندہ نہ ہو گا)"

(یسعیاہ: ۲۸: ۱۲-۱۶)

(۳) "یسوع نے اُن سے کہا کیا تم نے کتابِ مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اسلئے مَیں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔ اور جو اُس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ لیکن جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔"

(متی: ۲۱: ۴۲-۴۵)

عہد نامہ عتیق و جدید کی اس پیشگوئی پر معمولی سا تدبّر بھی گواہی دیتا ہے کہ اس پیشگوئی کا حرف بحرف سید و مولا آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں پُورا ہُوا۔ اگرچہ پیشگوئی کے ایک جزو کے مطابق دنیا اسے حیرت اور تعجب سے دیکھتی ہے۔ دُنیا کی نظر میں وہ لعلِ بے بدل واقعی "عجیب" ہے۔ کیوں نہ ہو؟ وہ اگر نیک نیتی سے اس کنزِ مخفی کے رُخ کو اپنی آنکھوں سے پردہ ہٹا کر دیکھیں تو تب اُنہیں پتہ چلے کہ یہ خزانہ کتنا قیمتی ہے اور یہ ہستی کتنی عظیم ہے۔ "آزمایا ہُوا پتھر..... جسے معماروں نے رد کیا" سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ بنو اسرائیل بنو اسماعیل کو سخت حقارت و نفرت سے دیکھتے تھے اور نبوت کے تخت کو اپنی میراث جانتے تھے ..... لیکن جیسا کہ ازل سے مقدر تھا۔ خدا تعالیٰ نے اُن سے وہ تخت چھین کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پھر بنی اسماعیل کو دے دیا۔ جسے بائبل کی تصدیق کے مطابق وہ بارہا آزما چکا تھا۔ ریگزارِ عرب کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے۔ جہاں اُس قوم کے باپ اسمٰعیلؑ کو کئی مرتبہ آزمایا گیا۔ مکہ کے لق و دق صحرا گواہ ہیں،

جہاں باپ نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو خشک صحرا کی ہولناکیوں کے سپرد کر دیا ـــــ بچہ پیاس سے بلبلاتا، چیختا چلاتا لیکن اس کے ہونٹ تر کرنے کے لئے ایک گھونٹ پانی بھی دستیاب نہ تھا ـــــ اس نظارہ کو دیکھ کر آسمان کانپ اُٹھا ـــــ زمین لرزگئی ـــــ لیکن

یہ ایک آزمائش تھی ـــــ چاہِ زمزم اسی آزمائش کا تحفہ ہے۔

اس کرۂ ارض کا ذرہ ذرہ گواہ ہے۔ جب فرمانبردار بیٹے نے باپ کی چھری کے نیچے اپنی گردن رکھ دی جو دنیا کی تاریخ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اطاعت و فرمانبرداری میں بے مثال نمونہ ہے۔

یہ بھی ایک آزمائش تھی۔ سید الانبیاءؐ اسی آزمائش کا تحفہ ہیں.....

کعبہ کی مشرقی دیوار میں نصب شدہ یہ پتھر اُس رد کئے ہوئے پتھر کی یاد دلاتا ہے جسے بعد میں تختِ نبوت عطا ہوا اور اُس تخت پر وہ نبیؐ وقت افروز ہوا کہ جس کے نام سے دنیا کے بڑے بڑے ایوان لرز اُٹھے۔ اُس شہنشاہِ اقلیم روحانیت سے جو بھی ٹکرایا پاش پاش ہو گیا۔

عرب کے اُس تپتے ہوئے صحرا کو جہاں ایک اَن گھڑ پتھر حجرِ اسود تھا، کوئی نہیں جانتا تھا ـــــ جو کہ رہنے والے حقیر قوم سمجھی جاتی تھی۔ لیکن جب اُس دھتکاری ہوئی قوم کو وہ دُرِّ بے بہا لعلِ بے بدل (فداہ ابی وامی) مل گیا تو اُسی سلگتی ہوئی زمین پر قیصر و کسریٰ کے محلوں کے کنگرے آ گرے۔

یہ ہے وہ عظیم الشان پیشگوئی جسے سنگِ اسود ہر طواف کرنے والے کے آگے خاموشی کی زبان سے دُہراتا ہے۔

پس اعتراض کرنے والے انصاف سے بتائیں کہ کیا یہ پتھر (سنگِ اسود) خدائے واحد و برحق کی توحید دلوں میں راسخ کرتا ہے یا نہیں؟ اُس توحید کو، جس کی قندیل اٹھائے دنیا کا مظلوم ترین انسانؐ عرصۂ دراز تک ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنا رہا...... شرک و بت پرستی کے تُند و تیز طوفان اس قندیل کو بجھا نہ سکے..... حوادث و افکار کے جھونکے اُس کو ٹھنڈا نہ کر سکے۔

ـــــ وہ قندیل آج بھی اسلام کے روشن مینار پر سجی ہے اور شرک و اصنام پرستی کی گھاٹیوں میں بھولی بھٹکی مخلوق کو راہِ مستقیم دکھاتی ہے اور اَبد تک دکھاتی رہے گی ـــــ

صاحبزادہ مرزا انیق احمد صاحب

مسلمان اور کتاب

(یہ مقالہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی ایک مجلس میں پڑھ کر سنایا گیا ———— ایڈیٹر)

دنیا کے اور کسی مذہب نے علم کی اتنی حمایت نہیں کی اور نہ ہی اسے وہ حیثیت دی ہے جتنی اسلام نے۔ اسلام نے اپنے اولین پیغام میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا علم کی عظمت و فضیلت کا اعلان فرمایا اور اسی اعلان کا یہ نتیجہ تھا کہ اسلام کے اولین دور میں ہی علم و فن کے چرچے رہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد اور عورت پر تحصیل علم کو لازم کر کے تعلیم عامہ کی داغ بیل ڈالی۔

عرب جیسی جاہل اور علم و حکمت سے عاری قوم نے اسلام کی لازوال دولت سے مشرف ہونے کے بعد اس کی مقدس تعلیمات کے بادۂ تند و تیز سے سرشار ہو کر علوم و فنون کا رخ کیا تو یونان و روما کے خزانوں کو کھنگال ڈالا اور مردہ علوم و فنون میں اپنی مسیحا نفسی سے از سر نو زندگی کی روح پھونکی، انہوں نے غیر قوموں کے ان علوم کو یونہی نہیں اپنایا بلکہ ان کی جانچ پڑتال کر کے انہیں ایک نئے قالب میں ڈھال دیا۔ ان کے علاوہ بیشمار ایسے علوم و فنون بھی ہیں جو محض اور محض مسلمانوں کی کاوشوں سے عالم وجود میں آئے۔

یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ حصولِ علم کی سب سے پہلی ضرورت کتاب ہے۔ پیشِ نظر مضمون میں انتہائی اختصار کے ساتھ یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو کتابوں سے کس قدر عشق تھا اور وہ ان کی غور و پرداخت اور دیکھ بھال کا کس قدر اہتمام کرتے تھے۔

مضمون کے آغاز سے بیشتر لفظ کتاب اور اس کی اصلیت سے متعلق بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اسلام سے پہلے کتاب کا وہ تصور جو آج ہمارے ذہن میں ہے دنیا کی کسی بھی تہذیب میں نظر نہیں آتا اور تو اور خود اہلِ عرب بھی جو اسلام کے اولین مخاطب تھے کتاب کے موجودہ تصور سے ناواقف تھے البتہ وہ کتاب کی بجائے "کتیبہ" جس کے معنے لشکر کے ہیں سے اچھی طرح واقف تھے کیونکہ جنگ جوئی اور لشکر کشی ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ خدا تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ اسی وحشی لفظ سے کتاب کا لفظ عالم وجود میں آیا جو تہذیب و ثقافت کی کلید ہے۔

کتاب کا موجودہ تصور بھی اسلام ہی کا پیش کردہ ہے اور اسلام کے دشمن بھی اس بات کا اعتراف کئے بغیر

نہیں ہے کہ اگر کوئی چیز سب سے پہلے کتابی شکل میں عالمِ وجود میں آئی ہے تو وہ قرآن کریم ہے۔ مسلمانوں کے تمام علمی کارناموں کا اصل محرک قرآن کریم ہی ہے۔ علم و حکمت سے عاری، جاہل عرب جب قرآن کریم پر ایمان لائے تو انہوں نے قرآن کریم کی خدمت اور اس کی صداقت کو دنیا پر ثابت کرنے کے لئے مختلف علوم و فنون ایجاد کئے۔ چنانچہ تاریخ، حدیث، فقہ، تفسیر، صرف و نحو اور اسی قسم کے بیسیوں علوم ایسے ہیں جو محض اور محض قرآن کریم کی وجہ سے عالمِ وجود میں آئے اور مسلمانوں نے ان علوم سے متعلق لاکھوں کتابیں تالیف کر کے علمی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

علمی عجائب و غرائب کی تحصیل کے لئے کتابیں خدا تعالےٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم کی عظیم طاقت سے نوازا ہے اور اسی قلم کی بدولت آج ہم اپنے تئیں ہر زمانے کے اہلِ علم و فضل کی مجلس میں پاتے ہیں اگرچہ فضل و کمال کے وہ ستارے ہم میں نہیں رہے اور گردشِ زمانہ نے انہیں ہم سے دور کر دیا ہے تاہم انکے کارہائے نمایاں اُن کے جانے کے بعد بھی ویسے ہی زندہ و تابندہ ہیں جیسے ان کی زندگی میں تھے۔

تاریخ ہمیں ایسے لوگوں کا پتہ دیتی ہے جو کتابوں کے عاشق و گرویدہ تھے اور انہوں نے اپنی عمریں مطالعۂ کتب اور تالیف و تصنیف میں گزار دیں اور تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ ہمارے اسلاف جہاں بھی گئے وہاں انہوں نے علم کی شمع جلائی۔ بے شمار مدارس اور بے شمار کتب خانے قائم کئے۔ انہیں کتابوں سے جو والہانہ عشق تھا اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک عرب مؤرخ "یاقوت" کتابوں کے ایک عاشق کا دردناک اور چشم دید واقعہ لکھتے ہیں:-

ابنِ حمدون (پیدائش ۵۴۷ ہجری وفات ۶۰۸ ہجری) مشہور ادیب و مصنّف ہونے کے علاوہ سرکاری شفاخانے میں سپرنٹنڈنٹ کے معزز عہدہ پر فائز تھا۔ اُسے کتابیں خریدنے اور جمع کرنے کا بے حد شوق تھا اور اس کا یہ شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ جب اُسے اس کے عہدہ سے معزول کر دیا گیا تو مجبور ہو کر گزر اوقات کے لئے اپنی کتابیں نکال نکال کر فروخت کرنے لگا اور اس کی آنکھیں ان کتابوں کی جدائی کی وجہ سے اس طرح اشکبار تھیں کہ گویا وہ اپنے اعزہ اور مخلص دوستوں کو انتہائی رنج و الم کے ساتھ جدا کر رہا ہے —— اپنی دُکھ بھری داستان سُناتے ہوئے کہنے لگا یہ میری عمر کے پچاس سال کا نتیجہ ہے جو میں نے ان کتب کے جمع کرنے میں صرف کئے ہیں بالفرض اب اگر مجھے پھر دولت مل جائے اور میری زندگی بھی وفا کرے تاہم ان کے دوبارہ جمع کرنے سے مجھے کچھ حاصل نہیں ہو گا ماسوا اس فراق اور جدائی کے کہ جس کے بعد دوبارہ ملنے کی اُمید ہی نہیں۔

یہاں کتابوں کے ایک اور عاشق کے واقعہ کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ ہمارے اسلاف کتابوں کو کس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کسی عالم کو ایک خلیفہ نے اپنی مجلس میں بلا بھیجا۔ جب خلیفہ کا خادم اُن کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ

عالم موصوف اپنے ارد گرد کتابوں کا انبار لگائے بیٹھے مطالعہ میں محو ہیں۔ خادم نے انہیں کہا "جناب آپ کو خلیفہ نے یاد فرمایا ہے"۔ انہوں نے خلیفہ کو کہلا بھیجا "اس وقت میرے پاس چند معاون و مددگار ندیموں کا مجمع ہے اور میں ان سے تبادلہ خیال کر رہا ہوں ذرا دیر میں حاضر خدمت ہوں گا"۔

خادم یہ جواب سن کر لوٹ گیا اور جا کر خلیفہ کو پیغام دے دیا۔ خلیفہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے خادم سے پوچھا "وہاں کون لوگ بیٹھے تھے؟" خادم نے عرض کی "وہاں تو کوئی بھی نہ تھا"۔ اس پر خلیفہ بہت برہم ہوا اور خادم کو دوبارہ بھیجا کہ وہ جس حالت میں بھی ہوں انہیں ابھی اپنے ساتھ لیکر آؤ۔

چنانچہ جب وہ صاحب حاضر ہوئے تو خلیفہ نے پوچھا کہ "وہ کون علماء تھے جو آپ کے پاس بیٹھے تھے؟" انہوں نے جواب دیا "وہ ایک ایسی جماعت تھی جس سے علم حاصل ہوتا ہے، رہبری ملتی ہے اور ناموری حاصل ہوتی ہے۔ آپ چاہیں تو انہیں مردہ تصور کریں اور چاہیں تو زندہ اور سرگرم عمل سمجھیں"۔

خلیفہ سمجھ گیا کہ ان کا اشارہ کتابوں کی طرف ہے چنانچہ اُن پر کوئی مواخذہ نہ کیا۔

آئیے ذرا کتابوں کے ایک اور دلدادہ کی کیفیت کا مطالعہ کریں۔

تیسری صدی کا نامور عرب ادیب ابوعثمان جاحظ کتب بینی کا اس قدر دلدادہ تھا کہ جب تک کسی کتاب کو ختم نہ کر لیتا اُس وقت تک ہاتھ سے نہ چھوڑتا۔ اس غرض کے لئے وہ کتب فروشوں کو کرایہ دیکر اُن کی دکانوں پر بیٹھا کرتا تھا۔ مگر جس قدر یہ کتابوں پر مہربان تھا کتابیں اس پر مہربان نہ تھیں۔ اس عاشقِ کتب کی موت بھی انہی کتابوں کی بدولت ہوئی۔ ایک دن وہ انہی کتابوں کے جھرمٹ میں بیٹھا محو مطالعہ تھا کہ تمام کتب اس پر آن گریں اور وہ اُن کے بوجھ تلے دب کر مر گیا۔

کتابوں کے عاشقوں کی ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ انہوں نے اپنی خوشحالی اور مالی وسعت کے باوجود عمر بھر شادی نہیں کی اور اپنی تمام زندگی مطالعۂ کتب اور تالیف و تصنیف ہی میں بسر کر دی۔ اور اپنے بعد اپنی کتابوں کو ہی اپنی یادگار کے طور پر چھوڑا۔

یہ سب امور اس ثقافتی زندگی کا ایک ہلکا سا نمونہ ہیں جس کا چشمہ کوہِ فاران سے پھوٹا تھا اور جسے ہمارے اسلاف نے بڑی محنت و جد و جہد سے اس حد تک نشوونما دی تھی کہ موسیو لیبان (ایک فرانسیسی) مستشرق کے قول کے مطابق یورپ کی یونیورسٹیاں چھ سو سال تک عربی کتب کے تراجم کے سہارے زندہ رہیں۔

مگر کس قدر افسوس اور دکھ کا مقام ہے کہ آج مسلمان کہلانے والے علم سے اتنے ہی عاری ہیں جتنے کسی زمانے میں اہل یورپ تھے۔ گو اب پہلے کی نسبت بہت حد تک ترقی ہوئی ہے مگر ابھی اس طرف بہت توجہ کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کی علمی ترقی کے دور میں اہل یورپ کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ پادریوں کے سوا کوئی علم ہی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اور پادریوں کی علمی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ مخصوص دعائیں انہوں نے رٹی ہوتی تھیں اور

اگر اُنہیں کہیں دستخط کرنے پڑتے تو شراب میں انگلیاں بھگو کر مخصوص نشان لگا دیتے۔ ان کی علمی قابلیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۵ء میں اٹلی کے ایک گرجا میں ایک چوہے نے ایک دفعہ "عشائے ربّانی" کی ایک روٹی کا ٹکڑا کھا لیا اس پر ایک دینی اور کلیسائی کونسل قائم کی گئی اور اس میں اس امر پر بحث کی گئی کہ آیا اس روٹی کا ٹکڑا کھانے سے اس ٹکڑے کے ساتھ چوہے کے پیٹ میں روح القدس نے حلول کیا ہے یا نہیں؟ اور آیا از روئے احکام دینیہ اس چوہے کو مار ڈالنا چاہیئے یا اس کی پرستش کرنی چاہیئے۔

اسلامی دورِ حکومت میں مسلمانوں نے جو علمی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں ان کا علم ہمارے لئے ازبس ضروری ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں ہمارے شاندار عہدِ ماضی کی ایک خوشگوار یاد کے علاوہ اس کا کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں ہمارے لئے بہت سی عبرتیں پنہاں ہیں جو ہمارے موجودہ جمود اور غفلت کے لئے ایک تازیانۂ عبرت ثابت ہوں گی، اس لئے یہ ایک اہم قومی ضرورت ہے کہ ہم اپنے ماضی سے خبردار ہو کر اپنے اسلاف کے کارناموں کو نہ بھولیں۔ اور ہمیں اس حقیقت کو اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ جب یورپ کی دنیا بربریوں کے حملوں سے زوال پذیر ہو کر ناقابلِ بیان حد تک ضلالت و تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا پڑی تھی کہ اگر اس وقت اسلام کمک کو نہ پہنچتا اور اعلیٰ علوم و فنون کی تخم ریزی کر کے ان کو دوبارہ حیاتِ نَو سے ہمکنار نہ کرتا اور حق و حریت کی جاں بخش آب و ہوا میں ان کو نشو و نما دے کر پھولنے پھلنے نہ دیتا تو آج کی علمی دنیا کہاں ہوتی؟ اور تہذیبِ جدید کا نشان کہاں ملتا!

سفرنامہ

ربوہ سے غانا (مغربی افریقہ) تک

(مکرم مولوی محمد صدیق صاحب شاہد مبلغ غانا)

گزشتہ دو شماروں میں مکرم مولوی محمد صدیق صاحب نے سیرالیون میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کے متعلق روشنی ڈالی تھی۔ اب حال ہی میں موصوف تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں مع اہل و عیال غانا تشریف لے گئے ہیں۔ ذیل میں ان کا ربوہ سے غانا تک کا دلچسپ سفرنامہ قارئینِ خالد کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش ہے ——— (ایڈیٹر)

یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل اور احسان ہے کہ اُس نے مجھے اشاعتِ اسلام کے لئے تیسری بار بیرونِ پاکستان آنے کی توفیق بخشی اس سے قبل دو بار مجھے سیرالیون مغربی افریقہ میں عرصہ سات سال تک یہ اہم فریضہ بجا لانے کی توفیق مل چکی ہے اور اب مرکز کی طرف سے مجھے غانا آنے کا ارشاد ہوا اور یہاں کے مجوزہ مشنری ٹریننگ کالج کے اجراء کا کام خاکسار کے سپرد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کام کو احسن رنگ میں سرانجام دینے اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث و مرکز کی خواہشات کو جو اس کالج سے وابستہ ہیں انہیں پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مؤرخہ ۱۵/۱/۶۶ بروز ہفتہ ربوہ سے بذریعہ چناب ایکسپریس روانگی ہوئی۔ مَیں اس لحاظ سے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے عہدِ خلافتِ ثالثہ میں سب سے پہلے اس عاجز کو تبلیغِ اسلام کے لئے روانگی کا موقع عطا فرمایا۔ راستہ میں بہاولپور میں شام کا کھانا مکرم مولوی محمد دین صاحب مربی سلسلہ نے پیش کیا اور وہ بمع اہلیہ ہمارے ساتھ سماسٹہ تک آئے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اگلے روز صبح گاڑی کراچی چھاؤنی پہنچی۔ مکرم شیخ خلیل الرحمٰن صاحب سیکرٹری ضیافت جن سے ہمارے تمام مبلغین متعارف ہیں وہاں موجود تھے انہوں نے شہر تک ہمارے ساتھ سفر کیا اور وہاں سے جائے رہائش یعنی مکرم این۔ اے۔ ڈار صاحب کے مکان پر گئے۔ مکرم ڈار صاحب عرصہ ۲۵ سال تک مشرقی افریقہ میں محکمہ پولیس میں ملازم رہے ہیں اور اب دو سال سے کراچی میں مقیم ہیں۔ انہوں نے کراچی کی جماعت سے درخواست کر رکھی ہے کہ مشرقی یا مغربی افریقہ سے آنے اور وہاں جانے والے مبلغین ہمیشہ اُن کے ہاں قیام کیا کریں۔

مؤرخہ ۱۷/۱/۶۶ کو رات کے ۱۰½ بجے ہم کراچی ایئرپورٹ پر پہنچے۔ مکرم شیخ خلیل الرحمٰن صاحب اور مکرم ڈار صاحب ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے دعاؤں کے ساتھ ہمیں الوداع کہا اور ۱۱½ بجے کراچی سے بذریعہ

ہوائی جہاز روانہ ہو کر اگلی صبح ½ ۷ بجے ہم بیروت کے ہوائی اڈہ پر اُترے۔

بیروت میں چند ایام

بیروت میں ائیرپورٹ پر ویزہ اور دیگر ضروری کارروائیوں کے بعد جن میں خاصہ وقت صرف ہونے کے علاوہ بعض دقتیں بھی پیش آئیں ۱۰ بجے کے قریب ہم ایک ہوٹل Caral Beach پہنچے۔ کراچی سے چلتے وقت کمپنی کی اطلاع کے مطابق ہمیں اگلی صبح یعنی مورخہ ۱۹ ۱/۶۶ کو بیروت سے اکرہ کے لئے روانہ ہونا تھا جس کی اطلاع مَیں نے محترم مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم انچارج مشن غانا کو بذریعہ تار کر دی تھی مگر وہاں آکر پتہ چلا کہ اس پروگرام کے مطابق مَیں آگے نہیں جا سکتا بلکہ مجھے پہلے کانو اور لیگس وغیرہ جانا ہو گا۔ اب وہاں ایک تو ملکی حالات کے خراب ہونے اور دوسرے پہلے پروگرام میں تبدیلی کی وجہ سے جس کی اطلاع مَیں مکرم شیخ نصیر الدین صاحب انچارج مشن نائیجیریا اور مکرم منیر احمد صاحب عارف کو نہ کر سکا تھا بعض دقتوں کے لاحق ہونے کا اندیشہ تھا۔ دوسری طرف یہ مشکل بھی تھی کہ بیروت میں مَیں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا تھا کیونکہ ایک یوم کے بعد ہوٹل کا اپنا خرچ برداشت کرنا ضروری تھا جس کی گنجائش نہیں تھی۔ اس وجہ سے خاصی پریشانی لاحق ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے جلد یہ پریشانی دُور فرما دی۔ ابھی مَیں فون پر پہلی کمپنی سے آئندہ پروگرام کے بارہ میں رابطہ پیدا کر ہی رہا تھا کہ Air ways کے ایک دوست ہوٹل میں میرے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ آپ کی سیٹیں ہمارے جہاز میں بُک ہیں اور دوسری کمپنی والے آپ کو کسی اور جہاز میں لے جانا چاہتے ہیں جس کے لئے ہم رضامند نہیں اسلئے آپ کو ۲۳ تاریخ بروز اتوار تک یہاں ٹھہرنا ہو گا مَیں نے کہا کہ مَیں اپنے خرچ پر تو ہرگز ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں ہاں اگر آپ بقیہ چار یوم ہوٹل کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں تو مجھے اعتراض نہیں ورنہ مَیں آگے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس پر انہوں نے رضامندی کا اظہار کیا اور نہ مجھے پہلے ہوٹل سے جو شہر سے باہر سمندر کے کنارے تھا شہر کے اندر ایک اور ہوٹل PARK LANE میں تبدیل کر دیا۔ جس سے مجھے پاکستانی سفارتخانے اور احمدی دوستوں سے رابطہ پیدا کرنے میں خاص سہولت ہو گئی۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے یہ پریشانی دُور فرما دی۔ یہ بہت شاذ ہی کہیں ہوا ہے کہ کوئی کمپنی چار پانچ یوم تک ہوٹل کا خرچ برداشت کرنے کے لئے تیار ہوئی ہو مگر یہاں خدا تعالیٰ نے غیر معمولی طور پر ہماری امداد فرمائی۔

بیروت پہنچتے ہی پہلی رات خاکسار کے ایک بچے کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ وہاں نہ کوئی ڈاکٹر، نہ دوائی حاصل کرنے کا کوئی امکان۔ آخر خاکسار نے دو نفل ادا کئے اور خدا تعالیٰ کے حضور التجا کی کہ اے مولیٰ کریم ایسے موقع پر تیرے سوا کون ہے تو ہی فضل فرما اور بچہ کو شفا عطا فرما۔ دل کی کیفیت اس وقت عجیب تھی اور خدا تعالیٰ پر کامل یقین اور اس کی قدرتوں پر ایمان نے عجیب کرشمہ دکھایا کہ صبح کے وقت جبکہ ہوٹل

تبدیل کرنا تھا بچہ کو اللہ تعالیٰ نے افاقہ عطا فرما دیا اور پھر آہستہ آہستہ کامل صحت ہو گئی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

بیروت میں پہنچتے ہی پہلے دن مَیں نے فون پر پاکستانی سفارت خانے سے رابطہ پیدا کیا اور وہاں سے احمدی دوستوں کا پتہ حاصل کیا۔ وہاں سے ایک دوست مکرم محمد جمیل صاحب نے مکرم جمال احمد صاحب مرزا کا پتہ دیا۔ مَیں سفارت خانے میں جا کر بھی ان سے ملا۔ انہیں نہایت ہی ہمدرد اور انسان دوست شخص پایا اور انہوں نے مجھے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ ان کے بیان کردہ پتہ پر مَیں نے مکرم جمال احمد صاحب مرزا کے گھر پر جا کر ملاقات کی وہ دیکھتے ہی بہت خوش ہوئے اور ربوہ کے حالات، حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی صحت اور خلافتِ ثالثہ کے قیام کے بارہ میں حالات دریافت کرتے رہے۔ ان کے ذریعہ بعض اور احمدی دوستوں سے ملنے کا بھی موقع مل گیا۔ چنانچہ ایک دوست الاستاذ محمد درجانی سے ملے جو ایک تاجر ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھا کاروبار ہے۔ یہ نہایت ہی مخلص نوجوان ہیں۔ عید کے روز انہوں نے ہمیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی چنانچہ خاکسار بمع اہل و عیال ان کے ہاں گیا۔ بیروت میں عید پاکستان سے ایک دن قبل یعنی ہفتہ کے روز ہوئی تھی جو خاکسار نے مکرم جمال احمد صاحب کے مکان پر پڑھائی۔

یہاں اس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کی گزشتہ سال کی جنگ میں خدا تعالیٰ نے نہایت ہی نامساعد حالات میں جو غیر معمولی فتح پاکستان کو عطا فرمائی ہے اور جس جرأت، بہادری اور جسارت کا مظاہرہ پاکستانی افواج نے کیا ہے۔ بیرونی ممالک میں اس سے پاکستان کا وقار اور عزت پہلے سے بہت بڑھ گیا ہے خصوصاً مسلمان تو فخریہ انداز میں یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے مقابل فتح عطا فرمائی۔ ہم محترم محمد درجانی کی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اور البانی دوست آ گئے اور مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ کیا یہ پاکستانی ہیں؟ ہاں میں جواب پاتے ہی ان کے چہرہ پر مسرت دوڑ گئی اور کہنے لگے کہ پاکستان اور ہندوستان کی جنگ میں پاکستان نے جو فتح حاصل کی ہے اس سے ہم بہت خوش ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے غیر مساعد حالات میں مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی ہے۔ ہم پاکستانی افواج کو اس جرأت اور بہادری کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں عمان میں آ کر ہم یہی بات لوگوں سے سننے میں آئی۔ لوگ حیران ہیں کہ کس طرح ایک چھوٹے سے ملک نے جس کی فوجی طاقت بھی کوئی زیادہ نہیں ایک ایسے ملک پر فتح حاصل کی جو اس سے کیا بلحاظ فوجی طاقت اور کیا بلحاظ رقبہ اور آبادی کے کہیں زیادہ طاقتور ہے اور آئندہ کے لئے اسے ایسا سبق سکھا دیا ہے کہ دوبارہ اسے حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہو گی۔ پاکستان پر خدا تعالیٰ کا یہ ایک ایسا احسانِ عظیم ہے کہ جس کو اہلِ پاکستان کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے اور آئندہ بھی دشمن کا سر کچلنے کے لئے متحد اور متفق ہو کر جدوجہد کو جاری رکھنا چاہیئے اور اس اعزاز کو جو اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو عطا فرمایا ہے ہمیشہ قائم رکھنے کی سعی کرنی چاہیئے۔

جماعت احمدیہ بیروت کے پریذیڈنٹ الاستاذ البو توفیق سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ نہایت مخلص دوست ہیں۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی وفات پر سخت رنج وغم کا اظہار کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے انتخاب پر اطمینان کا اظہار کیا۔ انہوں نے مجھے اپنی ایک پرانی خواب بھی سنائی جس میں حضرت امیر المومنین مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خلیفہ ثالث بننے کی بشارت تھی۔ خواب میں انہوں نے دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضؓ نے جماعت کے کچھ مخلصین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب میں فوت ہو جاؤں تو تم نے ناصر احمد کو خلیفہ بنانا ہے"۔

چونکہ اس وقت ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ بقید حیات تھے اور کوئی احمدی ایسی خواب کے اظہار کو پسند نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا محترم البو توفیق صاحب کے کہنے کے مطابق مکرم چوہدری محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ و گیمبیا نے انہیں یہ خواب اس وقت حضور رضؓ کی خدمت میں لکھنے سے منع کر دیا۔ میں نے انہیں کہا کہ جو واقعہ ہونا تھا وہ تو ہو چکا اور اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ آپ کی خواب اور حضرت المصلح الموعودؓ کی خواہش کے مطابق حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خلیفہ ثالث منتخب ہو چکے ہیں اس لئے یہ خواب اب آپ مفصل حضور کی خدمت میں تحریر کر دیں۔ امید ہے وہ ضرور ایسا کریں گے اور جماعت کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ہوگا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت ہمارے موجودہ امام حضرت مرزا ناصر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خلیفہ ثالث بننے کی بشارت دیدی تھی نہ صرف پاکستانی بلکہ غیر ممالک کے احمدیوں کو بھی۔

وہاں ایک اور بات کا مظاہرہ بھی ہوا۔ مکرم جمال احمد صاحب نے سید منیر الحصنی مبلغ شام کی طرف سے ایک خط محترم البو توفیق صاحب کو دیا کہ اس پر سب اہل خانہ اور دوسرے احمدی دوستوں کے دستخط کرا کر مرکز میں بھجوا دیں تاکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی بیعت ہو جائے اس پر محترم البو توفیق صاحب نے فخریہ انداز میں کہا کہ سید منیر الحصنی صاحب شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ابھی بیعت نہیں کی حالانکہ میں پہلے ہی بیعت کا خط لکھ چکا ہوں اور مجھے حضرت امیر المومنین کی طرف سے قبولیت بیعت کا جواب بھی آ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ایمان میں برکت ڈالے اور انہیں ثبات عطا فرمائے۔ مبلغ وہاں نہ ہونے کی وجہ سے انہیں جماعتی اجتماعات کے لئے دقت پیدا ہوتی ہے اور تنظیم بھی مشکل ہے۔ بہرحال یہ لوگ اخلاص میں کسی سے پیچھے نہیں۔

مسٹر جمال احمد مرزا سے معلوم ہوا کہ جماعت احمدیہ ماریشس کے جنرل سیکرٹری مسٹر محمد ابراہیم آجکل بیروت میں امریکن یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے گورنمنٹ سکالرشپ پر آئے ہوئے ہیں اور وہ مع فیملی ہیں۔ ہم ان کی تلاش میں پہلے امریکن یونیورسٹی میں گئے۔ وہاں بعض پاکستانی طلباء سے بھی ملاقات ہوئی اور ایک سوڈانی مسلمان طالب علم بھی ملے انہوں نے احمدیت کا نام سن کر دلچسپی کا اظہار کیا اور مجھے ہوٹل آ کر ملنے کی خواہش ظاہر کی تاکہ معلومات حاصل

کر سکے۔ مگر افسوس ان سے دوبارہ ملاقات نہ ہو سکی۔ ہم وہاں سے مسٹر محمد ابراہیم کے گھر کا پتہ حاصل کر کے ان کے ہاں گئے مگر وہ وہاں نہ مل سکے۔ شام کو جب وہ گھر آئے تو اُن کی اہلیہ نے اُنہیں ہماری آمد سے مطلع کیا۔ وہ اسی وقت شام کو میرے پاس ہوٹل میں آ گئے اور دیر تک مارشیس کے جماعتی امور پر اور ربوہ کے حالات، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی وفات اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث کی خیریت وغیرہ پر گفتگو کرتے رہے۔ وہ بہت خوش تھے اور ایک احمدی کو دوسرے احمدی سے غیر ممالک میں مل کر خصوصاً مبلغ سے جو بشاشت اور راحت محسوس ہو سکتی ہے اس کا اندازہ صرف وہی دوست لگا سکتے ہیں جن کو کبھی ایسا موقع پیش آیا ہو۔ بعد میں وہ مع فیملی ہمارے پاس تشریف لاتے اور ہم بھی اُن کے ہاں جاتے رہے۔ عید کے موقع پر بھی وہ مع فیملی حاضر تھے۔ ماہ فروری میں وہ ربوہ آنے والے تھے تاکہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث سے ملاقات کر سکیں اور مرکز کی زیارت کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق عطا فرمائے۔

بیروت میں جو چند ایام میں نے گزارے اور وہاں کی جماعت کے احباب سے مل کر جو میرے دل نے تاثر لیا ہے اس سے بے اختیار خدا تعالیٰ کے آستانہ پر سجدہ ریز ہونے کو دل چاہا کہ جماعت احمدیہ پر اس کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہم میں مبعوث فرما کر اور پھر ہمیں آپ کے دامن سے وابستہ کر کے باہمی اخوت محبت اور ایثار و قربانی کا وہی نظارہ دکھا دیا ہے جو آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل عرب کی سرزمین میں سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ کیا عربی، کیا پاکستانی، کیا شرقی اور کیا غربی، کیا گورے اور کیا کالے سب ایک ہی لڑی میں منسلک نظر آتے ہیں۔ اور ایک احمدی کا چہرہ دوسرے کو دیکھ کر خوشی سے چمک اُٹھتا ہے جیسا کہ اس کا کوئی سب سے بڑا عزیز آ گیا ہے۔ احباب جماعت نے مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونے دی حتّٰی کہ میرے اِدھر اُدھر جانے کے اخراجات بھی خود ہی برداشت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر دے۔ یہ ہے وہ تغیر عظیم جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آکر دنیا میں پیدا کیا ہے اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی ہے جو واقعی صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے والی ہے۔ کاش مسلمان اس نقطہ کو سمجھیں اور اس الٰہی آواز پر کان دھریں جو انہیں زندہ خدا، زندہ رسول اور زندہ اسلام کی طرف بلا رہی ہے تاکہ ایک بار پھر دنیا میں حقیقی اسلامی معاشرہ قائم ہو جائے۔ اے خدا تو جلد ایسا ہی کر۔

بیروت میں پانچ یوم قیام کے بعد ۲۳ تاریخ بروز اتوار صبح ۹ بجے اکرہ کے لئے روانگی ہوئی۔ راستہ میں قاہرہ میں قریباً ایک گھنٹہ اور لیگس (نائیجیریا) میں نصف گھنٹہ قیام کے بعد لوکل ٹائم کے مطابق شام ۴½ بجے ہم اکرہ پہنچ گئے۔ چونکہ نئے پروگرام کی اطلاع محترم مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم انچارج مشن غانا کو بھی نہیں ہو سکی تھی، لہٰذا وہ پہلی اطلاع کے مطابق ۱۹ تاریخ کو ہوائی اڈہ پر انتظار کر کے چلے گئے، اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ ویزہ وغیرہ کا معاملہ بھی محترم کلیم صاحب نے حل کرنا

تبلیغ اسلام

ناقابلِ فراموش

نعیم قاضی

"اُس مقام سے خطِ استوا گزرتا ہے" ایک بڑے بورڈ پر یہ الفاظ جلی حروف میں لکھے ہوئے تھے۔ سورج کی شعاعیں بالکل سیدھی پڑ رہی تھیں۔ دنیا کے عین وسط میں، ہمیں چلتے ہوئے دو گھنٹہ کا عرصہ ہو گیا تھا ـــــ اور ہماری منزل اب قریب ہی تھی۔ راہ گیر ایک غیر ملکی کو شہر سے دور دراز اپنے علاقہ میں اس طرح گھومتے ہوئے دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے گزر جاتے اور کبھی کبھی "جامبو" (افریقنوں کا سلام) کہتے اور ہمارا سلسلۂ گفتگو ٹوٹ جاتا ـــــ

کینیا کے ایک صوبہ نیانزا میں افریقن معلّم رجب اور خاکسار ایک تبلیغی سفر پر پیدل جا رہے ہیں۔ اب ہم سڑک سے ہٹ کر ایک پگڈنڈی پر چل رہے ہیں۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے۔ بے تحاشا بڑھی ہوئی گھاس نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ کہیں کہیں کیلے کے درخت نظر آ رہے ہیں۔ جھونپڑیوں کے ارد گرد مکئی کی فصل تیار کھڑی ہے ـــــ اور دور ایک گرجہ سے گھنٹی کی آواز مسلسل آ رہی ہے۔

معلّم نے مجھے مخاطب کیا ـــــ ہماری منزل آ گئی ہے۔ چند جھونپڑیاں نظر کے سامنے ہیں۔ ہم ایک جھونپڑی میں جو بانس کی بنی ہوئی ہے اور اس کی چھت گھاس سے ڈھکی ہوئی ہے داخل ہو گئے۔ کمرہ میں چند گنتی کی اشیاء، ایک میز اور کچھ کرسیاں بے ترتیب پڑی ہیں۔ چند بڑی بڑی ٹوکریوں میں مکئی کے دانے ہیں ـــــ ایک دروازہ کھلا اور ایک شخص جس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار تھے اندر داخل ہوا۔ اور اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ "یہ ہیں میرے دوست" معلّم نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ میں نے انہیں سلام کیا اور ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ رسمی گفتگو کے بعد جلد ہی ہم اصل موضوع کی طرف آ گئے۔ معلّم نے مجھے بتایا کہ یہ عرصہ سے ہمارا لٹریچر اور سواحیلی اخبار پڑھ رہے ہیں اور اب بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

اس علاقہ میں عیسائیت کی جڑیں مضبوط ہیں۔ جھونپڑیوں سے نزدیک ہی عیسائی مشن کا سکول ہے۔ فاصلے فاصلے پر گرجے ہیں اور سارے لوگ صرف ایک ہی مذہب کو جانتے ہیں اور مسیح کو اپنا نجات دہندہ خیال کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں تیزی کے ساتھ میرے ذہن میں گھوم رہی ہیں۔ لیکن اس مخالف ماحول کے باوجود یہ افریقن اسلام میں داخل ہونے کو مصر ہے۔ میرے دل کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ میرا دل خدا کی حمد سے معمور تھا کہ خداوند کریم کس طرح اپنی باتوں کو پورا

کر رہا ہے۔ اور وہ بشارت جو خدا نے اپنے محبوب بندے کو قادیان کی گمنام بستی میں دی تھی وہ کس شان سے پوری ہو رہی ہے۔ وہ آواز جو قادیان سے اٹھی وہ روشنی جو قادیان سے چمکی وہ اِس دُور دراز بستی میں، ہزاروں میل پر بھی گری اور دلوں کو منور کر گئی۔

چند لمحوں کے بعد اس خاموش بستی میں ایک آواز بلند ہوئی اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمداً رسول اللّٰہ ——— وہ شخص جو چند لمحے پہلے مسیح کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھ رہا تھا اب خدائے واحد کی پرستاری کا اعلان کرتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا جُوا اپنی گردن پر ڈال چکا تھا ——— اِس کیفیت کو دیکھ کر میرا دل خدائے واحد کے تشکر کے جذبات سے بھر گیا اور میری زبان پر یہ شعر تھا کہ ؎

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا
قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

ہم پگڈنڈی پہ چل رہے تھے ——— اور گرجے کی گھنٹی کی آواز آنی بند ہو چکی تھی ——— !

ربوہ سے غانا (مغربی افریقہ) تک

(بقیہ صفحہ ۳۷)

تھا۔ لہٰذا بظاہر مشکل پیدا ہونے کا اندیشہ تھا مگر خدا تعالیٰ نے یہاں بھی نصرت فرمائی اور بغیر کسی قسم کی پریشانی کے ایئر پورٹ پر مناسب کارروائی کے بعد ہم ٹیکسی کے ذریعہ مشن ہاؤس پہنچ گئے اور فون پر مکرم امیر صاحب کو سالٹ پانڈ اطلاع کی گئی۔ چنانچہ اگلی صبح کو وہ اکرہ تشریف لائے اور ان کے ہمراہ ہم بخیریت شام کو سالٹ پانڈ پہنچ گئے۔ الحمد للہ کہ یہ سفر جو کسی حد تک پریشان کُن تھا ختم ہو گیا۔

احباب جماعت سے درخواست دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا اِس ملک میں آنا مبارک ثابت کرے اور خدمت اسلام اور اشاعت احمدیت کی بہتر رنگ میں توفیق بخشے۔ آمین +

علم یا مال

انسان مال کی محبت میں بڑا شدید واقع ہوا ہے۔ اسی لئے وہ اپنی تمام تر کوشش دولت کے حصول کی خاطر صرف کر دیتا ہے تاکہ جہاں تک اسکے اختیار میں ہے وہ اپنی اولاد کی مالی حالت مضبوط کر سکے یہ رجحان اتنا غالب ہو چکا ہے کہ ہم نے علم کو جو مال سے کہیں بہتر تونگر ہے پس پشت ڈال دیا ہے اور جو تھوڑی بہت اُسکی طرف توجہ دیتے ہیں وہ بھی صرف مادی علوم پر ہی اکتفا کرتے ہیں حالانکہ ہم میں سے ہر ایک یہ وعدہ کر چکا ہے کہ "وہ دین کو دنیا پر مقدم" کریگا۔ تو پھر کیا اپنے بچوں کو دینی علوم سے آراستہ کرنا ہمارے لئے ضروری نہیں؟ پس آپ مجلس اطفال الاحمدیہ مرکزیہ کی شائع کردہ کتب "کامیابی کی راہیں" اپنے بچوں کو پڑھائیں اور انہیں ۲۷ مئی کو ہونے والے امتحانات میں شامل کریں۔ کیونکہ ترقی کے لئے امتحان نہایت ضروری ہے۔

خدا تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(مہتمم اطفال الاحمدیہ مرکزیہ)

منصور احمد خان
جامعہ احمدیہ

زمین کی پیدائش اور اس سے متعلق مختلف نظریات

اس وسیع و عریض کائنات میں سورج، چاند، ستارے اور زمین ہمیشہ سے عقلِ انسانی کو حیرت میں ڈالتے آئے ہیں۔ یہ عجیب اجسام کس طرح فضا میں تیرتے پھرتے ہیں۔ جب سے دنیا میں علوم و فنون کی ترقی شروع ہوئی ہے اُس وقت سے سائنس دان اس پُر اسرار کائنات کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اسی کوشش کی ایک کڑی زمین کی پیدائش سے متعلق نظریات کا علم ہے۔

اس بارہ میں مختلف سائنس دان مختلف نظریات پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ پیشِ نظر مضمون میں قارئین خالد کی معلومات کے لئے چند نظریات بیان کئے گئے ہیں۔ زمین نظامِ شمسی کا ایک سیارہ ہے اور نظامِ شمسی سورج اور دیگر سیاروں کا مجموعہ ہے جو سورج کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ سورج نظامِ شمسی کا مرکزی ستارہ ہے۔ اس کے قریب ترین سیارہ (۱) عطارد ہے۔ دوسرے سیارے حسب ذیل ہیں۔ (۲) زہرہ۔ (۳) زمین۔ (۴) مریخ (۵) مشتری (۶) زحل۔ (۷) یورینس۔ (۸) نیپچون۔ (۹) پلوٹو۔

آج سے قریباً دو سو سال قبل پہلی مرتبہ ایک فرانسیسی سائنس دان بفن (Buffon) نامی نے زمین کی ابتداء سے متعلق جو نظریہ پیش کیا اس کے مطابق زمین اور دوسرے سیارے سورج ہی کے ٹکڑے تھے جو سورج کے ساتھ ایک دوسرے بڑے ستارے کے ٹکرانے کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے۔ چونکہ ہر دو ستاروں کی اطراف ایک دوسرے سے رگڑ کھاتی ہوئی گزر رہی تھیں اسلئے سورج اور اس سے علیحدہ ہونے والے ٹکڑوں نے گھومنا شروع کر دیا اور سورج کی کشش کی وجہ سے ان ٹکڑوں نے اسکے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ ایک عرصہ تک یہ نظریہ معروف رہا لیکن ۱۷۹۶ء میں ایک اور فرانسیسی سائنس دان لاپلیس (Laplace) نے اسے اپنی تنقید کا ہدف بنایا اور اس نظریہ پر یہ اعتراض کیا کہ اگر یہ صورت مان لی جائے کہ زمین اور دیگر سیارے سورج کے ساتھ کسی دوسرے ستارے کے ٹکرانے کی وجہ سے بنے تھے تو اس صورت میں سورج سے علیحدہ ہونے والے ٹکڑے سورج کے گرد اگرد اس طور پر گھومنے چاہئیں کہ ایک طرف سے وہ سورج کے ساتھ ٹکرانے والے ستارے کے زور کی وجہ سے سورج سے کافی فاصلہ پر ہو جائیں۔ اور دوسری طرف سورج کے زیادہ قریب سے گزریں

مگر اس کے برخلاف تمام کے تمام سیارے تقریباً بیضوی شکل میں سورج کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔

لاپلیس (Laplace) نے اس کے خلاف یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج نے بغیر کسی دوسرے ستارے کے ٹکرانے کے خود بخود سیاروں کو علیحدہ کیا۔ اس کو اس نے اس طرح بیان کیا کہ سورج کسی زمانہ میں پھٹنے کی وجہ سے اُس تمام حصہ میں پھیل گیا جہاں تک سیاروں کی موجودہ حدود ہیں۔ اور اس نے یہ فرض کیا کہ اُس وقت بھی سورج اپنے محور کے گرد چکر لگاتا تھا اس کے بعد آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے سکڑنا شروع ہوا اور گھومتے ہوئے اجسام کی یہ طبعی خصوصیت ہے کہ جب وہ سکڑتے ہیں تو اُن کی رفتار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں اس کی مثال یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ اگر ہاتھوں کو پھیلا کر ایڑی کے بل گھومیں اور یکدم ہاتھوں کو سکیڑ لیں تو رفتار میں فوراً تیزی پیدا ہو جائے گی۔ اور یہی عمل سکڑتے ہوئے سورج کے ساتھ رونما ہوا اور چونکہ مختلف النوع گیسوں کا مجموعہ ہے اسلئے ہوا تو تیز تر ہوتی ہوئی رفتار کی وجہ سے سورج میں سے گیس کے چھلے نکلنے لگے۔ جن کے نکلنے کا مظاہرہ تیل کے ایک گولے کو کسی دوسری مائع میں تیزی کے ساتھ گھمانے سے کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ گیسوں کے چھلے آپس میں مل کر گیس کے گولے بن گئے جنہوں نے بعد ازاں سیاروں کی شکل اختیار کر لی اور زمین بھی اسی قسم کا ایک سیارہ ہے۔

لاپلیس کے بعد آنے والے سائنس دانوں نے جب اس نظریہ کی علم ریاضی کے اصولوں کی رُو سے جانچ پڑتال کی تو اس میں انہیں بہت سی خامیاں نظر آئیں۔ اس بناء پر انہوں نے اس نظریہ پر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے:-

(۱) سورج کے سکڑنے کے ساتھ چھوٹے اور بڑے بڑے گیسوں کے چھلے نہیں بننے چاہئیں بلکہ اس عمل سے باریک اور بے شمار چھلے بننے چاہئیں۔

(۲) گھومتے ہوئے چھلے کا تجربہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی گولہ نہیں بنائے گا بلکہ چھوٹے چھوٹے بہت سے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا اور اس لحاظ سے "زحل" سیارے کو پچاس ٹکڑوں میں منقسم ہو جانا چاہئیے تھا۔

(۳) سب سے بڑی مشکل اس نظریہ میں یہ ہے کہ سورج کا نظام شمسی میں ۹۹٫۸۷ فی صد مادہ ہے لیکن سیاروں کے گھومنے کی توانائی نظام شمسی کی ۹۸ فی صد ہے۔ سو یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ سورج سے علیحدہ ہونے کے بعد گیس کے چھلوں نے اتنی رفتار حاصل کر لی ہو۔

لاپلیس کے نظریہ کی ناکامی کے بعد سائنسدانوں کو دوبارہ بفن (Buffon) کے نظریہ کو ترمیم یافتہ صورت میں اپنانا پڑا۔ موجودہ صدی کے انگریز سائنسدان سر جیمس جینز (Sir Jemes Jeans) اور تھامس چمبرلین (Thomas Chamberlin) نے اس نظریہ کی تجدید کی اور اس سے مندرجہ ذیل شکل میں پیش کیا۔

ان دونوں سائنسدانوں کے نظریہ کے مطابق:-

"ستارے سورج پر ایک وسیع مدّوجزر کی وجہ سے بنے اور یہ مدّوجزر سورج سے بالکل قریب سے گزرنے والے ایک دوسرے ستارے کی کشش کی وجہ سے پیدا ہوا۔"

مدّوجزر یا جوار بھاٹا آپ میں سے اکثر نے سمندر میں دیکھا ہوگا، یہ مدّوجزر چاند کی کشش کی وجہ سے سمندر کی سطح پر پیدا ہوتا ہے۔

اس نظریہ کی مزید وضاحت یہ کی گئی کہ سورج سے کئی گنا بڑا ستارہ جب سورج کے بالکل قریب سے گزرا تو اس ستارے کی کشش کی وجہ سے سورج کی سطح کے اوپر ایک وسیع اور اونچی لہر اُٹھی جو بیرونی ستارے کی حرکت کے ساتھ ساتھ سطح سمندر پر حرکت کرتی رہی اور پھر وہ لہر بیرونی ستارے کے زور کی وجہ سے سورج سے الگ ہوگئی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سورج کے گرد گھومنے لگی۔ اور یہی لہریں بعد میں ستاروں کی شکل اختیار کر گئیں۔
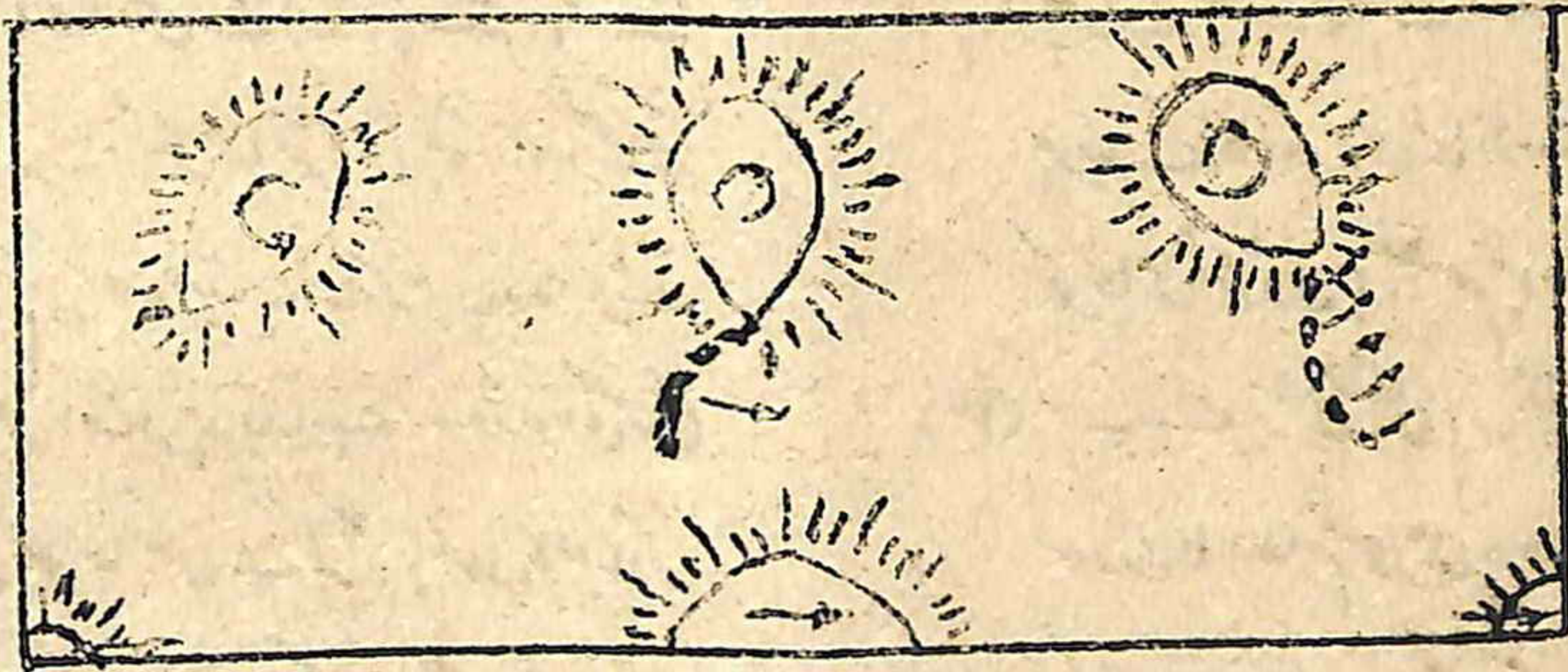
لیکن اس نظریہ پر بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس طرح بنے ہوئے ستارے بیرونی ستارے کے زور کی وجہ سے سورج کے گرد ایک جانب سے زیادہ دُور جانے والے بیضوی شکل کے راستہ پر گھومنے چاہئیں مگر ستارے تقریباً گول راستوں پر گھوم رہے ہیں۔ اس اعتراض کو یہ فرض کر کے دُور کیا گیا ہے کہ ستاروں کی زندگی کے ابتدائی ایام میں سورج کے گرد اُس تمام حصّہ میں جس میں ستارے گھوم رہے تھے ایک گیسوں کا مجموعہ حرکت کر رہا تھا جو ستاروں کی اس حرکت کی مزاحمت کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اُسی رُخ پر لے آیا جس پر وہ خود گھوم رہا تھا۔ جیسا کہ شکل سے ظاہر ہے:-

ستاروں کا پہلا راستہ
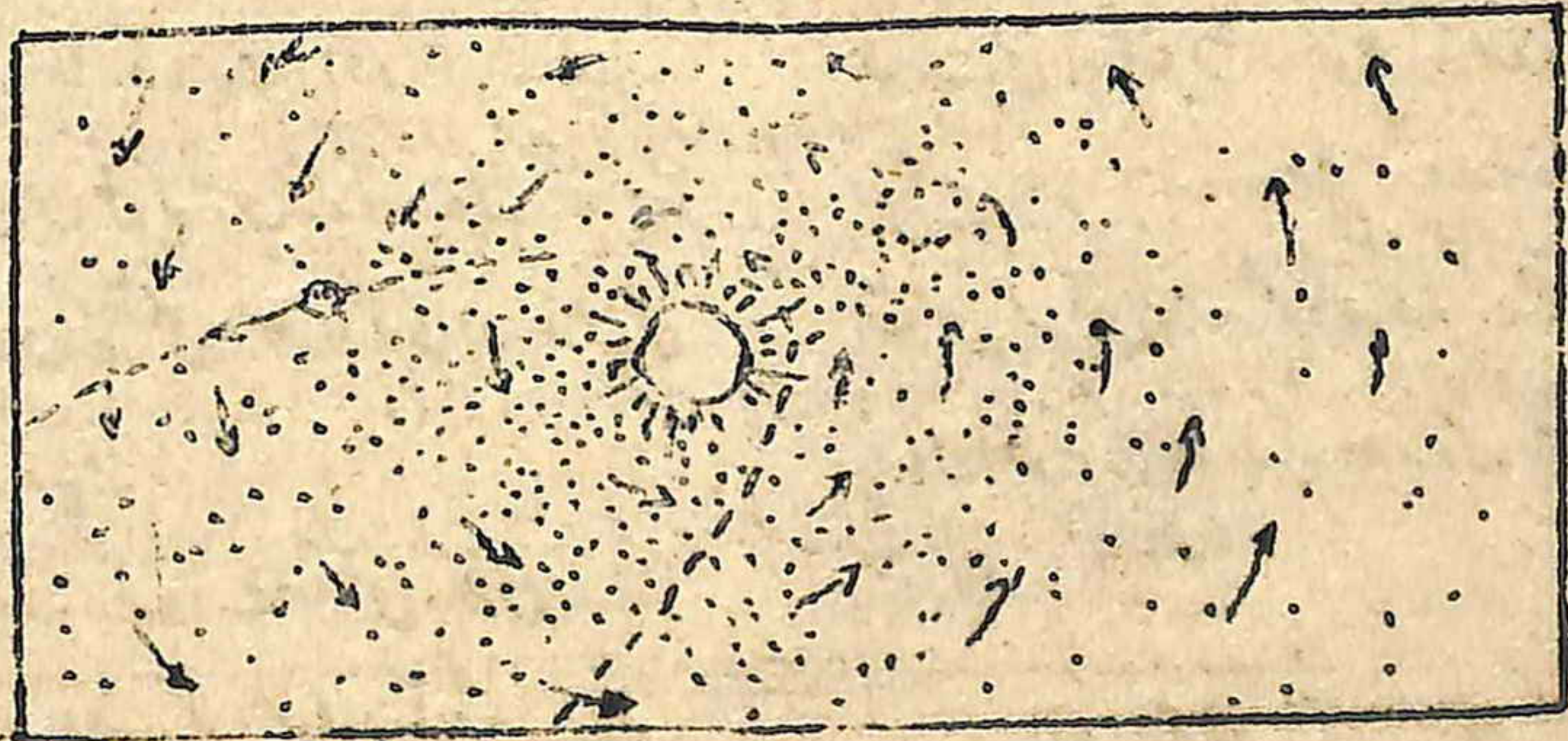
یہ گیسوں کا مجموعہ جس کی وجہ سے سیاروں کا رخ بیضوی شکل میں ہوا تھا آہستہ آہستہ کچھ حصہ سورج کی سطح پر واپس گر جانے سے اور کچھ حصہ نظامِ شمسی کی حدود سے باہر نکل جانے کی وجہ سے غائب ہو گیا۔ اس گیسوں کے مجموعہ کے کچھ اثرات جنہوں نے سورج کو ملفوف کیا ہوا ہے اب تک ملتے ہیں۔

ایک لمبے عرصے تک مندرجہ بالا نظریہ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی مگر ۱۹۴۴ء میں ایک جرمن سائنسدان سی۔ ویزیکر (C. Weizsacker) نے دوبارہ لاپلیس (Laplace) کے نظریہ کو زندہ کیا اور کچھ ترمیم کے ساتھ اس کو دوبارہ پیش کیا اور اسی کو بہت سے سائنسدانوں نے کچھ ردّ و بدل کے بعد تسلیم کر لیا۔

اس نظریہ کے مطابق گیسوں اور مادی ذرّات کے بہت بڑے بادل نے بیرونی ستاروں کی روشنی کے دباؤ کی وجہ سے سکڑنا شروع کیا۔ اس سکڑنے کے عمل سے اندرونی حصہ میں زیادہ کشش پیدا ہو گئی اور اس نے اور زیادہ دباؤ کے ساتھ دخانی مادہ کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔ اس بڑے جسم کے اندرونی حصہ میں دباؤ کی زیادتی کی وجہ سے درجہ حرارت بہت بڑھ گیا جس سے ایٹمی عمل اور اثرات ہوئے اور سورج بنا۔

سورج کے بننے کے بعد دخانی مادہ بڑی تعداد میں رہ گیا اور سورج کے گرد چکر لگاتا رہا۔ اور اس مادہ کے ذرات تیزی کے ساتھ گھومتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے رہے اور نتیجۃً یہ ذرّات ٹکرا ٹکرا کر ایک جگہ اکٹھے ہوتے رہے۔
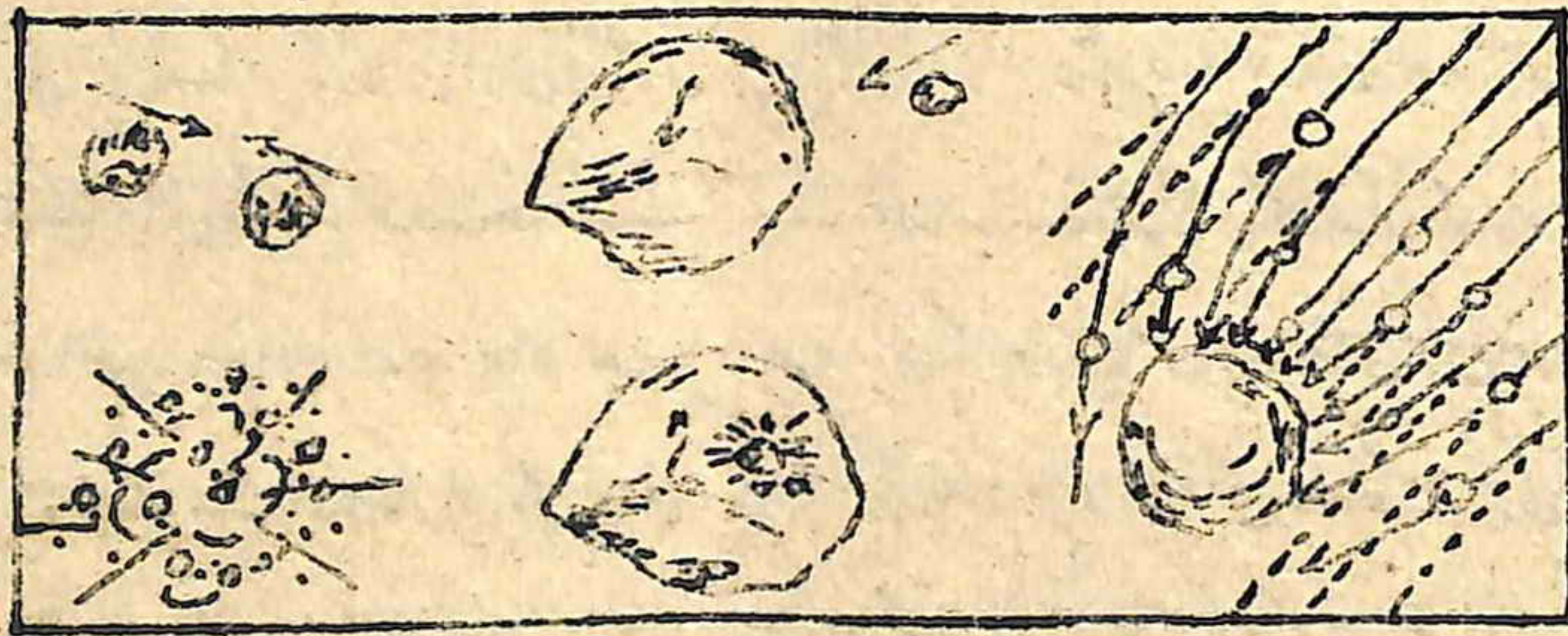
ظاہر ہے کہ دو برابر کے ذرات ٹکرا کر مزید ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جب ایک ذرہ دوسرے بڑے ذرے سے ٹکرائیگا تو اس میں جذب ہو جائیگا۔ سو اس طرح چھوٹے ذرات کا خاتمہ ہوتا گیا اور بڑے ذرات بڑے اجسام میں تبدیل ہوتے رہے اور سیارے بن گئے۔

زمین کا مستقبل:۔ ایک اندازے کے مطابق جیسے جیسے یورانیم تابکاری (Radioactivity) ختم ہوتی جائیگی آتش فشاں پہاڑ، پہاڑوں کا بننا ختم ہوتا جائیگا اور زمین کی سطح صاف ہو جائیگی اور تقریباً ایک ارب سال تک سمندر تمام زمین کو ڈھانپ لے گا لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ سورج بڑھتا چلا جائیگا اور بیس کروڑ سال تک سورج اپنے سب سے قریبی سیارے عطارد تک پھیل جائے گا اور اس کی گرمی سمندروں کو ابال دے گی۔ اس کے بعد سمندر ٹھنڈا ہونا شروع ہو گا اور زمین کے اوپر بھاپ اور بخارات جم جائیں گے اور اس سے بہت پہلے زمین پر سے زندگی ختم ہو چکی ہو گی +

خدام الاحمدیہ کے صفحات

مجلس خدام الاحمدیہ کی ایک تقریب

مورخہ ۳/۶۶/۱۶ کو بعد نماز مغرب مجلس خدام الاحمدیہ دار النصر غربی کے زیر انتظام ایک جلسہ صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ تلاوتِ قرآن پاک کے بعد تمام خدام نے کھڑے ہو کر محترم صدر صاحب کی معیت میں عہد دُہرایا۔ بعد ازاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام ایک خادم نے سنایا۔ بعدہٗ مبارک احمد خالد زعیم دار النصر غربی ربوہ نے اپنی مجلس کی پہلی سہ ماہی کی کارگزاری کی تفصیل حاضرین کے سامنے بیان کی جس میں بتایا گیا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس مجلس کے خدام و اطفال نے خدام الاحمدیہ کو ایک قومی تنظیم کی طرح اپنایا ہے اور اس میں دلچسپی لی ہے اور اس تنظیم کے اغراض و مقاصد سے نہ صرف خود واقف ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی واقف کرانے کی کوشش کی ہے اور ہمارے مدنظر یہ امر بھی رہتا ہے کہ ہم حقیقی اسلام یعنی احمدیت اور ملک کی ترقی کے لئے ہم پر عائد ہونے والے فرائض کو احسن طور پر انجام دینے کے لئے تربیت حاصل کریں اور دوسروں کے لئے نمونہ بنیں۔ اور اپنے تئیں اسلام کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنائیں۔ آپ نے تفصیل سے اپنی مجلس کے تمام شعبہ جات کی رپورٹ بیان کی۔ اس کے بعد آپ نے بتایا کہ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ سہ ماہی اوّل میں ہماری مجلس ربوہ کی مجالس میں اوّل قرار پائی ہے۔ الحمد للہ۔

آخر پر انہوں نے حضرت صدر محترم کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے آج ہم سے خطاب فرمانا منظور فرمایا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی قیادت میں زیادہ سے زیادہ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی صحت و عمر میں برکت دے اور آپ کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔

زعیم صاحب کے بعد مہتمم مقامی چوہدری عبد العزیز صاحب نے اس مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ مجلس ربوہ کی کمزور مجالس میں سے تھی لیکن خدا کے فضل سے اس مجلس کے خدام و اطفال نے کوشش کی اور باہمی تعاون اور محبت سے کام کر کے یہ اعزاز حاصل کیا ہے۔ اب انہیں چاہیئے کہ اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر کوشش کریں تا اس اعزاز کو برقرار رکھ سکیں۔

آپ کے بعد مہتمم اطفال مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر نے تقریر کرتے ہوئے کہا "طفلِ امروز قائدِ فردا" یعنی آج کا طفل کل کو قائد بنے گا اسلئے آپ ابھی سے اس کی اس رنگ میں تربیت کریں کہ بچپن میں جو نیک عادات وہ اپنے اندر پیدا کرے جوانی کی عمر میں پہنچنے تک وہ اس کے اندر راسخ ہو جائے اور اس طرح وہ ایک بہترین خادم

ثابت ہو سکے اور تبھی وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

مہتمم صاحب اطفال کی تقریر کے بعد صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب صدر مجلس مرکزیہ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ زعیم صاحب کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ اس مجلس نے باقاعدہ ایک پروگرام بنایا اور پھر اسے عملی جامہ پہنایا۔ اور یہی چیز ان کی کامیابی کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہمیشہ وہی قوم ترقی کر سکتی ہے جس کے سامنے ایک معین پروگرام ہو۔ آپ نے فرمایا کہ دوسری چیز جو اس مجلس کی کامیابی کا سبب ہے وہ ان کا خدا تعالیٰ کے حضور دعاؤں پر زور دینا ہے۔ یہ بزرگوں سے ملتے رہے اور ان کی دعائیں حاصل کر سکے۔ پھر تیسرے نمبر پر انہوں نے باہمی محبت و اتفاق کو بھی مدنظر رکھا ہے جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے ان پر فضل کیا اور ان کو یہ اعزاز عطا فرمایا۔ پھر اس محلہ کے انصار بزرگوں کے تعاون اور راہنمائی سے بھی خدام الاطفال نے نمایاں ترقی حاصل کی ہے اور یہ بات تنظیموں کے باہمی تعاون سے حاصل ہو سکتی ہے۔

سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں کامیابی کی ساری راہیں بیان کر دی ہیں، سارے کمالات سورۃ فاتحہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سورۃ سارے قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ طریق تھا کہ حضورؑ اکثر خود بھی سورۃ فاتحہ پر غور کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی جماعت کو بھی اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ہمیں سورۃ فاتحہ پر غور کرتے رہنا چاہیئے۔

جب انسان کامیابی حاصل کرنے کا خواہشمند ہے تو اُسے یہ بھی تو علم ہونا چاہیئے کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ جس شخص کو اپنے مقصد کا پتہ نہ ہو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ جو آدمی کوشش کر رہا ہے، سعی کر رہا ہے اگر اس کو اپنے مقصد کا پتہ نہیں ہے تو وہ کامیاب کیسے ہو سکتا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم اپنی کوششوں کو مقصد کے تابع کر دو۔

جب تمہارا مقصد معین ہو جائے تو پھر اپنی ساری زندگی کو اس کے تابع لے جاؤ۔ اسلئے قرآن مجید میں فرمایا اِيَّاكَ نَعْبُدُ یعنی ہمارا ایک خدا ہے اس کی طرف ہی جانا ہے۔ اس کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھنا۔ دنیا میں دیکھو یہی نظر آ رہا ہے کہ ہر ایک نے الگ معبود بنا لئے ہیں اور خدائے رحیم و کریم کو بھول گئے ہیں۔ سورۃ فاتحہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہمارا ایک الٰہ ہے۔ اور یہی انسان کا مقصود ہے۔ یہ شرک ہے کہ انسان ایک مقصد کے ہوتے ہوئے اِدھر اُدھر نظر دَوڑائے۔ سورۃ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی دعا سکھلا کر انسان کو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے نظیر قوٰی دیئے ہیں۔ اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے قوٰی سے فائدہ اٹھائے اور اس کے کام میں جو کمزوری رہ گئی ہے وہ بھی اس کے راہ میں حائل نہ ہو اور وہ ترقی کی منزل کی طرف بڑھتا چلا جائے۔

پھر فرمایا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں دعا کا ایک پہلو رہ جاتا ہے کہ خدایا ہمیں صراط مستقیم دکھا۔

نادان یہ کہتے ہیں کہ دُعا کچھ ہے ہی نہیں صرف محنت ہی ہے۔ وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ دعا سے زیادہ کوئی محنت نہیں ہے۔ جتنی محنت انسان کو مزدوری کرنے یا ملازمت کرنے میں کرنا پڑتی ہے اس سے کہیں زیادہ دُعا کرنے میں کرنی پڑتی ہے۔

دُعا بہت ہی کارگر ذریعہ ہے۔ دعا میں وہ طاقت ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام طاقتیں ہیچ ہیں۔ خدا تعالیٰ کے انبیاء کو جب بھی دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا وہ خدا کے حضور جھکے اور اس سے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجہ میں ان کے اندر ایٹمی طاقت پیدا کر دی جس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی ایٹمی طاقت کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔

تم خدا کے حضور جھکو اور اس کے حضور جھکو کہ اے خدا تُو نے ہی ہمیں طاقتیں دی ہیں ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں، اور پھر اپنے کاموں میں لگ جاؤ تو خدا تعالیٰ آپ کی محنت کو ضائع نہیں کرے گا اور آپ کو کامیاب و بامراد کر دے گا۔

دُعا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان صرف اپنے لئے ہی نہ مانگے بلکہ دوسروں کے لئے بھی دعا کرے۔ اس کی دعا قبول نہیں ہوتی جو دوسروں کے لئے دُعا نہیں کرتا۔

جب تم ایک دوسرے کے لئے [illegible]ل کر دعا کرو گے تو خدا تمہاری دُعاؤں کو سُنے گا۔ جب تم خدا سے مانگو تو ایک جگہ ٹھہر نہ جایا کرو۔ جب ایک مقصد میں کامیاب ہو جاؤ تو دوسرے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔

تم خدا سے صراطِ مستقیم مانگو، وہ راہ جو سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم میں ایک اصولی دُعا سکھلائی ہے امتِ محمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام کمال مقدر کر رکھے تھے جو تمام دوسری قوموں کے لئے مقدر نہیں ہوتے۔

مَیں اپنے عزیزوں سے یہ کہوں گا کہ بہت ہی برکتوں اور صفات کا جامع وجود تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کہ تم خدا کے حبیب سے محبت کرو۔ تب خدا بھی آپ سے محبت کرے گا۔ اگر اس کے علاوہ انسان کوشش کرے تو وہ خدا کی محبت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ کامیابی کے گر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں بیان کر دیئے ہیں اگر ہم اس کے معنی پہ غور کریں تو ہم انفرادی طور پر بھی اور جماعتی طور پہ بھی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

اے خدا جس نور کو دیکھ کر تُو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا وہ نور ہمارے لئے بھی مکمل کر۔ نور تو ہی ہے ظلمتیں تجھ سے ہی کافور ہو سکتی ہیں۔ ہمارے اندر ظلمتیں ہی ظلمتیں ہیں۔ انسان ایک بُت کو توڑتا ہے تو دوسرا آگے آجاتا ہے۔ خواہ ہم کتنے ہی ناقص ہوں۔ اگر ہمارا خدا چاہے تو ہمیں تمام مراتبِ اعلیٰ عطا کر دے اسلئے ہر آن ہمیں خدا سے دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے پیارے رسول کی محبت عطا فرمائے، اپنے قرب سے نوازے، خدمتِ دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے، ہم سے راضی ہو جائے اور راضی رہے۔

اس خطاب کے بعد آپ کی معیّت میں احباب نے

اجتماعی دعا کی اور دعا کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوا۔
خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ اجتماع بہت ہی کامیاب
رہا۔ (منتظم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ دارالنصر غربی ربوہ)

مبلّغینِ اسلام کے اعزاز میں ایک تقریب

مورخہ ۱۶/۳/۶۶ بروز بدھ بوقت ساڑھے پانچ بجے
شام مجلس خدام الاحمدیہ دارالنصر غربی کے خدام و اطفال نے
بیرونِ پاکستان اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تشریف
لے جانے والے مبلغین کے اعزاز میں دعوتِ عصرانہ کا
انتظام کیا جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب
صدر مجلس خدام الاحمدیہ نے ازراہِ شفقت شمولیت کی۔
آپ کے علاوہ بیرونِ پاکستان تشریف لے جانیوالے
مجاہدینِ اسلام

۱۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر مہتمم اطفال الاحمدیہ مرکزیہ
۲۔ حافظ محمد سلیمان صاحب ناظم اصلاح و ارشاد مجلس ربوہ
۳۔ محمد عثمان صاحب چینی " خدمتِ خلق " "

شامل ہوئے۔ مولوی منیر الدین احمد صاحب اور داؤد احمد
حنیف صاحب اپنی مصروفیات کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔
مجلس خدام الاحمدیہ دارالنصر غربی کی عاملہ اور خدام
نیز محلہ دارالنصر غربی کے احباب اور مجلس مقامی کے بعض
زعماء اور ناظمین کے علاوہ بعض بزرگ بھی شامل ہوئے۔
صدرِ محترم کے ارشاد پر حمید احمد صاحب ظفر منتظم
تربیت محلہ دارالنصر غربی نے تلاوت کی اس کے بعد
مبارک احمد خالد زعیم مجلس دارالنصر غربی ربوہ نے اپنے
مجاہد بھائیوں کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا۔ نیز اپنی
مجلس کے خدام و اطفال اور دوسرے احباب کی طرف
سے ان مجاہدینِ اسلام کی خدمت میں پُرخلوص الوداع
کہا۔ اس کے بعد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر، حافظ محمد سلیمان
صاحب اور محمد عثمان صاحب چینی نے باری باری احباب
سے خطاب فرمایا اور مجلس خدام الاحمدیہ دارالنصر غربی کے
خدام و اطفال کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے یہ موقع پیدا
کر کے ان کی دلجوئی کی ہے۔ نیز انہوں نے توجہ دلائی کہ
آپ بھی اپنی زندگیاں خدمتِ اسلام کی خاطر وقف کریں تا
جلد از جلد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا کے
تمام جھنڈوں سے بلند نظر آئے اور ساری دنیا اس کی
پناہ میں آجائے۔ اور خدا کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی رسالت کا بول بالا ہو۔ اس کے بعد حضرت
صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے دعا کروائی کہ
اللہ تعالیٰ ان مبلغین کو اپنے فرائض احسن طریق پر سرانجام
دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہر آن اس کی تائید و نصرت
ان کے شاملِ حال رہے۔ اور آپ بھائیوں کو جزائے خیر
دے اور آئندہ بھی مبلغین کی دلجوئی کرنے کی توفیق عطا
فرمائے اور ہم سب کا ہر آن حافظ و ناصر ہو۔

دعا کے بعد سوا چھ بجے یہ تقریب خدا تعالیٰ کے
فضل سے بخیر و خوبی اختتام کو پہنچی۔

الراقم
خاکسار
مبارک احمد خالد
زعیم مجلس خدام الاحمدیہ دارالنصر غربی
ربوہ

خدام الاحمدیہ کے اعلانات

خدام الاحمدیہ کے مرکزی امتحانات

(۱) نصاب برائے "مبتدی"　　کل نمبر ۱۰۰

۱- قرآن کریم - پہلا پارہ

۲- حدیث شریف - نبراس المومنین

۳- کتب سلسلہ - ۱- کشتی نوح ۲- احمدیت کا پیغام۔

۴- کتابچہ عام دینی معلومات
شائع کردہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔

(۲) نصاب برائے "مقتصد"　　کل نمبر ۱۰۰

۱- قرآن کریم - از سورۃ فاتحہ تا آخر آل عمران

۲- حدیث شریف - احادیث الاخلاق از مکرم مولوی
غلام باری صاحب سیف

۳- کتب سلسلہ - ۱- فتح اسلام ۲- سبز اشتہار
۳- ایک غلطی کا ازالہ ۴- الوصیت
۵- دعوۃ الامیر ۶- کتابچہ عام دینی
معلومات شائع کردہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔

ہر خادم کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ ان امتحانات میں باری باری شریک ہو۔ یہ دونوں امتحان ستمبر ۱۹۶۶ء کے آخری عشرہ میں ہوں گے۔ معین تاریخ کا بعد میں اعلان کر دیا جائے گا۔ قائدین کرام کو چاہیئے کہ وہ خود بھی ان امتحانات میں شریک ہوں اور زیادہ سے زیادہ خدام کو بھی ان میں شامل فرمائیں۔ جن خدام نے گزشتہ سال "مبتدی" کا امتحان دیا تھا ان کے نتائج عنقریب ان کی مجالس کو بھجوا دیئے جائیں گے۔ اور اسناد سالانہ اجتماع کے موقع پر دی جائیں گی۔ (مہتمم تعلیم خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

خدام الاحمدیہ کی مرکزی سالانہ تربیتی کلاس

خدام الاحمدیہ کی تیرھویں مرکزی سالانہ تربیتی کلاس انشاء اللہ العزیز جولائی ۱۹۶۶ء کے پہلے ہفتہ میں شروع ہوگی۔ معین تاریخوں کا بعد میں اعلان کر دیا جائیگا۔ جملہ قائدین کرام سے درخواست ہے وہ اس کلاس کیلئے ابھی سے خدام کو تیار کریں اور ہر مجلس کی طرف سے کم از کم ایک نمائندہ ضرور شریک ہو۔ نمائندہ کے انتخاب میں یہ امر کو مدنظر رکھا جائے کہ وہ خادم اس کلاس سے صحیح رنگ میں استفادہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور واپس جا کر اپنی مجلس میں بھی تعلیم و تربیت کا کام سرانجام دے سکے۔ ایسے تمام وہ خدام جو میٹرک کے امتحان میں شریک ہو رہے ہیں وہ اپنے امتحان سے فراغت کے بعد اس کلاس میں ضرور شریک ہوں۔ (مہتمم تعلیم خدام الاحمدیہ مرکزیہ)
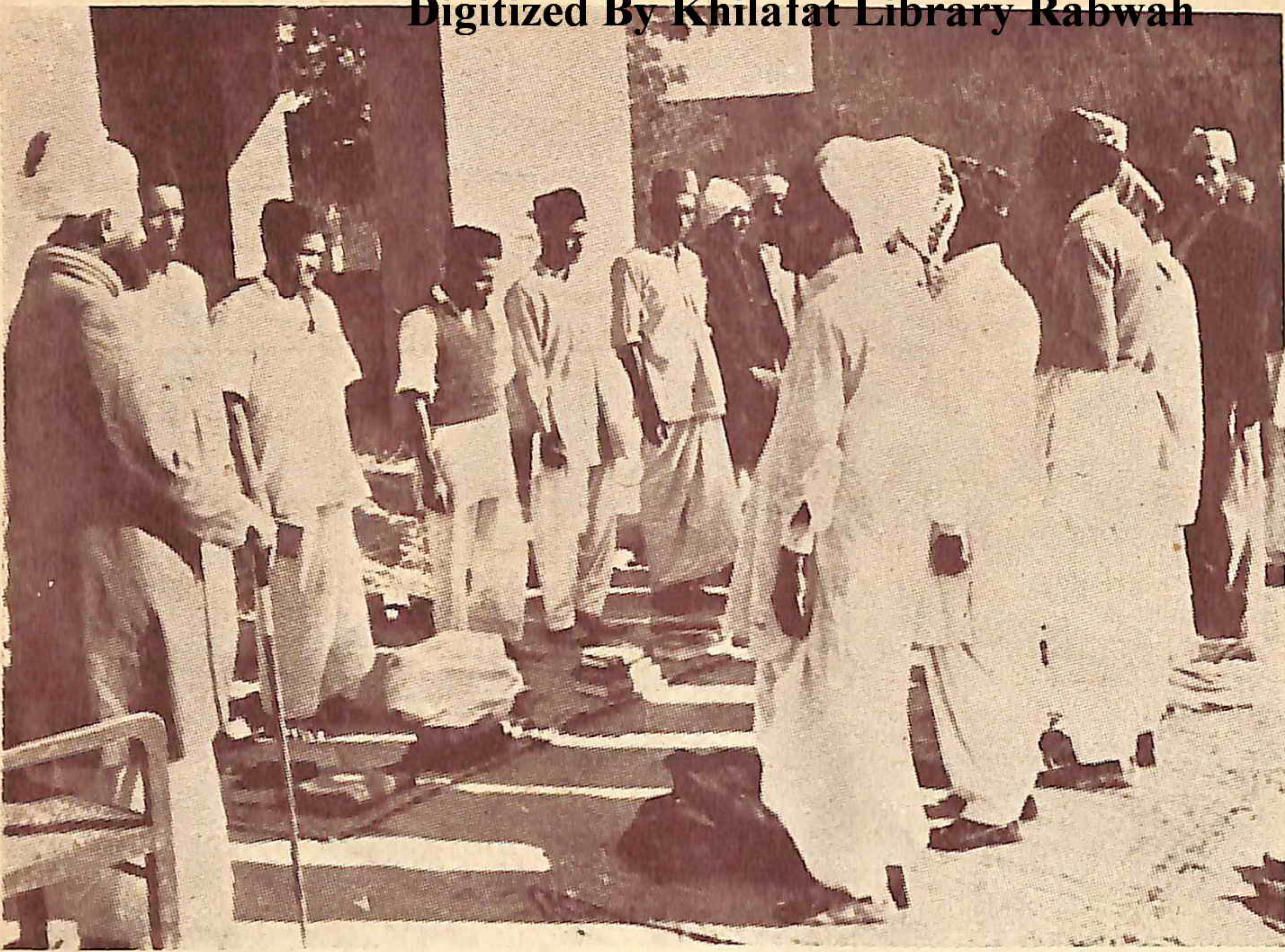
محترم مولوی
ابو العطاء صاحب
لیکچر کے لئے کلاس
میں تشریف لا رہے
ہیں -
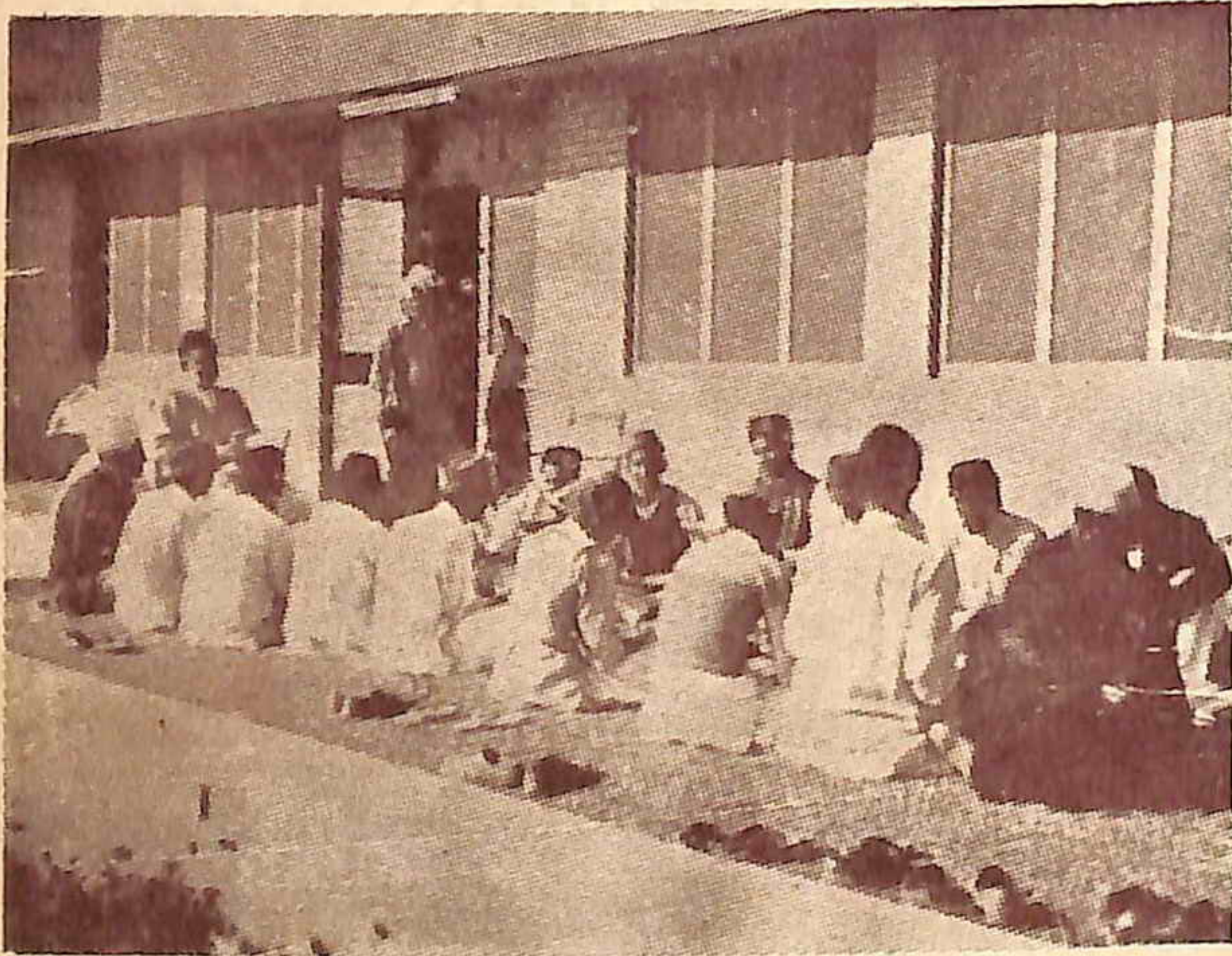
ملک سیف الرحمن صاحب
کلاس میں لیکچر دے
رہے ہیں -

پاک و ہند کی گذشتہ جنگ
کے پیش نظر معلمین
ملکی دفاع کی تربیت حاصل
کر رہے ہیں -

معلمین کپڑے استری
کرنا سیکھ رہے ہیں -